ان کہانیوں میں سے ایک جن ے با[illegible]سپنس کے آخری صفحات، آخری صفحات کہلائے گئے

طاہر جاوید مغل

جدا نہ ہوں گے

محبتوں کے نقیب اور سسپنس کے قارئین کے محبوب مصنف اس مرتبہ ایک اور داستان محبت کے ساتھ جلوہ گر ہیں، وہ محبت جو کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔ دو محبت سے لبریز دلوں کی داستان جن کی انا ان کی محبت پر حاوی ہونے لگی تھی۔ اس انانیت کے باعث ان کی محبت پر گزرنے والی مصیبتوں اور عذابوں کا پرہول ماجرائے ستم، سسپنس کے آخری صفحات پر ایک طویل اور یادگار داستان جو تادیر قارئین کی یادوں میں شمع کی مانند جھلملاتی رہے گی۔
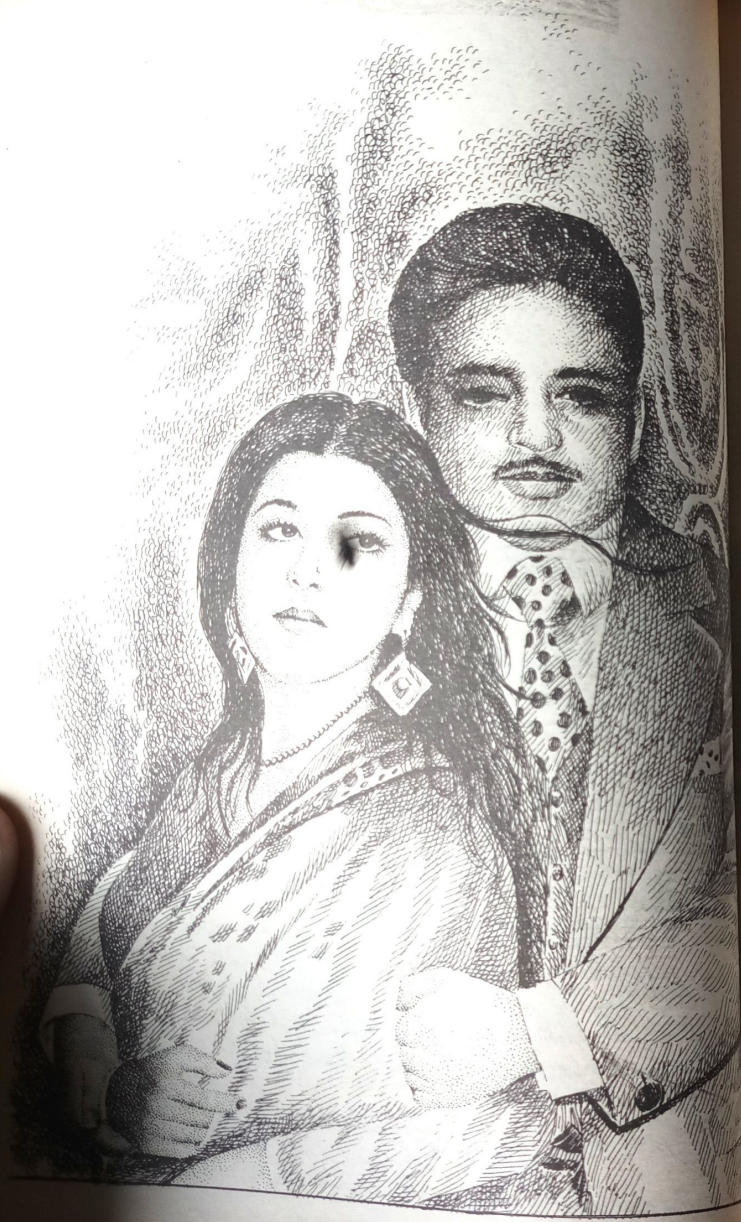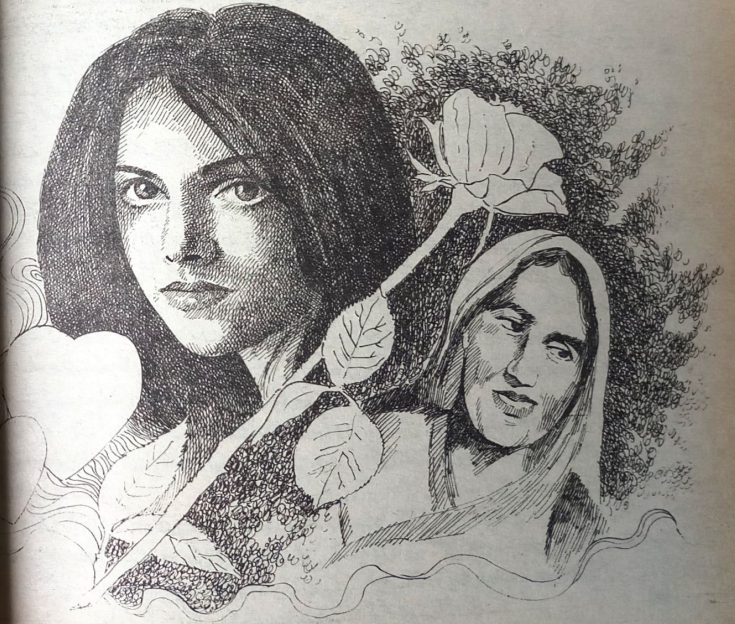
احسن کی زندگی بڑے پُرسکون انداز میں گزر رہی تھی۔ ایم ایس سی کرنے کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ "وڈ ورکس" کے کاروبار میں شریک ہوگیا تھا۔ ان کے اسٹور کا شمار لاہور کے چند اچھے اور بڑے اسٹورز میں ہوتا تھا۔ چلا چلایا کام تھا۔ چالیس سال پرانی ساکھ تھی۔ ڈیوٹی بھی کوئی ایسی سخت نہیں تھی۔ احسن دس بجے کے قریب سو کر اٹھتا تھا۔ نہانے دھونے اور ناشتا کرنے میں کم از کم ایک گھنٹا تو لگ ہی جاتا تھا۔ اپنی نئے ماڈل کی ٹیوٹا کار میں ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ فیکٹری پہنچتا۔ اپنے "ہیڈ فورمین" سے گپ شپ کرتا۔ تھوڑا بہت حساب کتاب دیکھتا۔ چند فون کالز کرتا۔ اتنے میں لنچ کا ٹائم ہوجاتا۔ شام ہونے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ مغرب سے قریباً ایک گھنٹا پہلے فیکٹری بند ہوجاتی تھی۔ اس کے بعد فراغت ہی فراغت ہوتی تھی۔

گھر میں ممی ڈیڈی کے علاوہ صرف ایک بڑے بھائی تھے۔ ان کی بھی شادی ہوچکی تھی۔ وہ اپنی مختصر فیملی کے ساتھ اوپر کے پورشن میں رہتے تھے۔ یہ تین کینال کی کوٹھی دونوں بھائیوں کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھی۔ احسن کی ایک بہن تھی۔ وہ بھی بیاہ کر اپنے گھر کی ہوچکی تھی۔ اس کے میاں ایک اعلیٰ سرکاری آفیسر تھے اور اسلام آباد میں رہتے تھے۔ یہ میاں بیوی بس کبھی کبھار ہی شکل دکھاتے تھے۔

ایک دن احسن نے ممی ڈیڈی کو کامن روم میں باتیں کرتے سنا اور اس پر انکشاف ہوا کہ حسب اندیشہ اس کے لیے رشتے کی تلاش شروع ہوچکی ہے۔ ممی اسی رشتے کرنے والی مائی کا ذکر خیر کررہی تھیں جسے وہ باجی بلقیس کے نام سے یاد کرتی تھیں اور جو اس سے پہلے بڑے بھائی اکبر اور بہن آصفہ کے رشتے ڈھونڈنے کے مواقع پر نظر آیا کرتی تھی۔

اگلے تین چار ہفتوں میں رزلٹ سامنے آ گیا۔ ممی ڈیڈی ہر ویک اینڈ پر بن ٹھن کر لڑکی "تاڑنے" جاتے رہے اور واپسی پر سرگوشیاں کرتے رہے۔ آخری ہفتے آصفہ کو بھی اسلام آباد سے بلالیا گیا۔ آصفہ نے بھی لڑکی دیکھی اور احسن کے لیے پسند کی۔ وہ کسی طرح لڑکی کی ایک تازہ تصویر بھی لے آئی تھی۔ تصویر دیکھنے اور دیگر کوائف سننے کے بعد احسن کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔ لڑکی واقعی ہزاروں لاکھوں میں ایک دکھائی دیتی تھی۔ وہ خیر سے ڈاکٹر بن رہی تھی۔ فیملی بھی اچھی تھی۔ لڑکی کے والد بھی ڈاکٹر تھے۔ احسن کے والد کے ساتھ ان کی واقفیت بھی نکل آئی تھی۔ لڑکی کا نام عنبرین قیوم تھا۔

بعد کے واقعات کافی تیزی سے رونما ہوئے۔ ہوشیار آصفہ نے چھوٹی عید کے موقع پر احسن اور عنبرین کی ایک چھوٹی سی ملاقات کا اہتمام بھی کردیا۔ اس ملاقات کے چند روز بعد ہی احسن اور عنبرین کی منگنی ہوگئی۔

دونوں گھرانے روشن خیال اور کسی حد تک ایڈوانس تھے۔ تقریبات کے موقع پر احسن اور عنبرین ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے، باتیں کرسکتے تھے۔ جب ایسے مواقع افراط سے میسر ہوں تو پھر تکلف کی دیواریں گرتے زیادہ دیر نہیں لگتی۔ جلد ہی عنبرین اور احسن گھر سے باہر بھی ملنے لگے۔ کبھی کسی ریستوران میں، کبھی کسی مشترکہ دوست کے گھر یا کبھی کسی خوب صورت پارک میں۔

وہ اکتوبر کی ایک ہفت رنگ شام تھی۔ احسن شاہراہ قائداعظم کے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھا بے قراری سے عنبرین کا انتظار کررہا تھا۔ اس کی نظر بار بار اپنی قیمتی رسٹ واچ کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ عنبرین حسب معمول لیٹ تھی۔ مقررہ وقت سے تقریباً پون گھنٹے بعد خدا خدا کر کے اس کی صورت نظر آئی۔ وہ اپنا بیگ جھلاتی تیزی سے اس کی میز کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"ویری ساری احسن! میں پھر لیٹ ہوگئی۔" وہ اپنی خوب صورت ناک چڑھا کر لجاجت سے بولی۔

اس کے دلکش انداز اور آواز کی شیرینی نے احسن کا آدھا غصہ کافور کردیا۔ بہرحال وہ پروگرام کے مطابق اپنے لہجے کے روکھے پن کو برقرار رکھتے ہوئے بولا "آج آپ کی پاکٹ میں کون سا بہانہ ہے ڈاکٹر صاحبہ!"

"بہانہ تو وہی پرانا ہے لیکن امید ہے کہ تم قبول کرلو گے۔ امتحان سر پر ہیں۔ سر عادل ایک دم ڈکٹیٹر بنے ہوئے ہیں۔ ان سے بات کرتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔ چھ بجے چھٹی ہوجانا تھی لیکن انہوں نے ایک گھنٹا مزید پڑھایا ہے۔ اب بھی گھر سے بیگم صاحبہ کا فون نہ آجاتا تو شاید ہم کلاس روم میں ہوتے۔"

"یعنی۔ اب میں جو تمہاری صورت دیکھ رہا ہوں تو یہ بھی بیگم صاحبہ کی کرم فرمائی ہے۔ لگتا ہے کہ یہ دنیا ہی ڈکٹیٹروں کی ہے۔ جو جتنا بڑا ڈکٹیٹر ہوتا ہے اس کی منزلیں اتنی ہی آسان ہوجاتی ہیں۔ اگر بیگم صاحبہ میرے جیسی بھلی مانس ہوتیں تو اب وہ بھی گھر میں بیٹھی پروفیسر عادل صاحب کی راہ تک رہی ہوتیں۔"

"مجھے تمہارے انتظار کی کوفت کا احساس ہے احسن...... لیکن پتا نہیں کیا بات ہے، جب میں تم سے آنے کا وعدہ کرتی ہوں، وقت پر پورا نہیں کرپاتی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم مجھے انتظار میں مبتلا کر کے لاشعوری طور پر لطف اندوز ہوتی ہو۔ مجھے تو شک ہونے لگا ہے کہ تم اذیت پسند قسم کی لڑکی ہو۔ نفسیات یہ کہتی ہے کہ......"

"دیکھو...... نفسیات دان بننے کی کوشش نہ کرنا...... پلیز...... پلیز...... میں تمہیں انسان دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ بات کاٹ کر بولی۔

"گویا نفسیات دان انسان نہیں ہوتے؟"

"وہ مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں تمہیں ایک عام انسان دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہنستا مسکراتا...... باتیں کرتا...... اور......"

"اور کسی ریستوران میں بیٹھ کر اُلّو کی طرح دیدے گھماتا اور تمہاری راہ دیکھتا۔" احسن نے جل کر عنبرین کی بات مکمل کی۔

"پلیز...... پلیز ڈارلنگ اب غصہ تھوک دو۔" وہ آہستہ سے اپنا ہاتھ احسن کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولی۔

احسن کوشش کے باوجود اپنا غصہ برقرار نہیں رکھ سکا اور گہری سانس لے کر اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا دی "ایک تو پتا نہیں اس "پلیز" کے لفظ میں کیا جادو ہے۔ جب یہ کسی خوب رو لڑکی کے منہ سے ادا ہوتا ہے تو بندے کی مت ہی ماری جاتی ہے۔" احسن نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

عنبرین جواب میں کچھ نہیں بولی، بس اس کے ہونٹ دل نشیں انداز میں کھنچ گئے۔ وہ مسکراتی تھی تو احسن کو محسوس ہوتا تھا کہ اردگرد کی ہر شے مسکرا اٹھی ہے۔ وہ بات مکمل کرتے ہوئے بولا "مجھے تو لگتا ہے کہ مائی حوا نے بابا آدم کو جنت سے نکلوانے کے لیے بھی یہی "پلیز" کا لفظ استعمال کیا ہوگا۔"

اسی دوران میں ویٹر آرڈر نوٹ کرنے کے لیے آ گیا اور دونوں کی گفتگو کو بریک لگ گئے۔ سوپ اور شیشلک کا آرڈر دینے کے بعد دونوں محویت سے ایک دوجے کو دیکھنے لگے۔ جیسے غیر ارادی طور پر آنکھوں کی پیاس بجھا رہے ہوں۔ احسن کے چہرے پر گہری سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔ کہنے لگا "عنبرین! خبر نہیں کیوں کسی وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری زندگی میں داخل ہو کر تمہیں ڈسٹرب کر دیا ہے۔ میں تمہارے اور تمہاری دلچسپیوں کے درمیان آ گیا ہوں۔"

"ذرا مجھے بھی بتاؤ کہ میری دلچسپیاں کیا ہیں؟" وہ بولی۔

"تمہاری اولین دلچسپی تمہاری تعلیم ہے۔ تم خبط کی حد تک اپنی پڑھائی کی طرف متوجہ رہتی ہو...... اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے لیکن اسے میری کم ظرفی کہہ لو۔" میرے جذبے کی شدت کہہ لو...... یا کچھ اور کہ میں تمہاری اس دلچسپی سے رقابت محسوس کرنے لگا ہوں۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" وہ ادا سے بولی "جب رقابت کے لیے کوئی اور نہیں ملا تو "پڑھائی" کو ہی رقیب بنا لیا۔"

"بھئی! میں کہہ تو رہا ہوں کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے لیکن کبھی کبھی ایسا خود بخود ہونے لگتا ہے۔"

"اگر تمہیں برا لگتا ہے تو سب کچھ چھوڑ دیتی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"ایسی صورت میں انکل قیوم یقیناً میری کھال کھنچوا کر اس میں بھُس بھر دیں گے۔ میں جانتا ہوں، وہ تمہیں ایک قابل اور ہونہار ڈاکٹر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی اس خواہش کے راستے میں وہ کسی طرح کی رکاوٹ قبول کر ہی نہیں سکتے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو احسن! شروع میں میں پڑھائی میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتی تھی...... میرا دل کہا کرتا تھا کہ میں بہت زیادہ نہیں پڑھوں گی تو پھر بھی ڈاکٹر تو بن ہی جاؤں گی مگر پھر دھیرے دھیرے میں نے محسوس کیا کہ پاپا مجھے صرف ڈاکٹر نہیں، بہت اچھی ڈاکٹر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش اتنی شدید تھی کہ ان کے کچھ نہ کہنے کے باوجود اس خواہش کے اثرات مجھ پر پڑنے لگے۔ میں اپنے کندھوں پر ایک بھاری ذمے داری محسوس کرنے لگی۔ ان دنوں میں ایم بی بی ایس کے پہلے یا دوسرے سال میں تھی۔ میں نے خود کو اور اپنی پڑھائی کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھنا شروع کیا۔ ان دنوں میری سوچ میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ میں حقیقی معنوں میں اپنی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئی۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ...... یہ جو تم چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے کتابوں کی طرف متوجہ رہتی ہو تو یہ سب پاپا جانی کی خاطر ہے۔"

"شروع شروع میں یہ سب واقعی پاپا جانی کی خاطر تھا...... لیکن اب حقیقتاً مجھے اپنے شعبے میں بہت دلچسپی محسوس ہوتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے احسن! کہ اگر میں ڈاکٹر نہ بنتی تو شاید کچھ بھی نہ ہوتی۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم پیدا ہی ڈاکٹر بننے کے لیے ہوئی تھیں؟"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا بھئی! ہم تو چلتے ہیں۔" وہ باقاعدہ کرسی سے اٹھتے ہوئی بولا "اب ہمارا یہاں بھلا کیا کام ہے۔"

عنبرین نے ہنستے ہوئے احسن کا بازو پکڑ لیا اور اسے کھینچ کر پھر سے بٹھا دیا۔ ہنستے ہوئے اس کے ہونٹ عجیب شرمیلے انداز سے کھنچ جاتے تھے اور دانتوں کی چمک نمایاں ہو جاتی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے بولی "تم تو واقعی بہت "شدید" قسم کے رقیب ہو۔"

"پیار بھی تو شدید قسم کا کرتا ہوں۔"

وہ اس کے ہاتھ کو اپنے نرم ملائم ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی "تمہیں کیا پتا احسن! تم سے دور ہوتی ہوں تو تمہیں کتنا مس کرتی ہوں۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ سب کچھ لپیٹ لپاٹ کر ایک طرف رکھ دوں اور گاڑی پکڑ کر سیدھی تمہارے پاس چلی آؤں۔ بس تمہارے پاس بیٹھی رہوں...... تمہاری باتیں سنتی رہوں...... تمہیں اپنی باتیں سناتی رہوں......"

"لیکن پھر اچانک تمہارے کانوں میں پاپا جانی کی گرج دار آواز گونجتی ہے۔ عنبرین! خبردار جو اپنا ایک منٹ بھی کسی بیکار کام میں ضائع کیا تو...... یہ بہت قیمتی ہے۔ چلو اپنے اسٹڈی روم میں اور کتابوں کے ڈھیر میں اپنا سر گھسیڑ دو۔"

"جی نہیں۔ یہ سب تمہاری غلط فہمیاں ہیں۔" عنبرین نے ادا سے کہا "پاپا نے کبھی اس بارے میں مجھ سے ایک لفظ نہیں کہا...... اور نہ کبھی آئندہ کہیں گے۔ وہ کبھی حکم نہیں دیتے، بس مشورہ دیتے ہیں، اور وہ بھی اتنے دھیمے انداز میں کہ پتا ہی نہیں چلتا کب مشورہ ہوا۔"

"خیر ان کے اخلاق کا تو میں بھی معترف ہوں۔" احسن نے کہا۔

"پھر جناب کو اعتراض کس بات پر ہے؟"

"اعتراض صرف اس بات پر ہے کہ وہ تمہیں جلدی سے میرے ہاتھ میں کیوں نہیں تھماتے۔ مم...... میرا مطلب ہے کہ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں کیوں نہیں تھماتے۔ سچ کہتا ہوں کہ اب زیادہ انتظار نہیں ہوگا مجھ سے۔ انہوں نے تمہارے فائنل امتحان کے بعد فروری کا اشارہ دیا ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ مارچ تک انتظار کروں گا۔ مارچ ختم ہوتے ہی تمہیں تمہاری کتابوں سمیت اغوا کر کے لے جاؤں گا۔"

عنبرین کا رنگ شرم سے سرخ ہوگیا۔ احسن نے بات ہی ایسی کی تھی۔ اچھا ہوا کہ احسن کے ایک دوست نے نمودار ہو کر عنبرین کو مزید "شرمندہ" ہونے سے بچالیا۔ جونہی احسن نے دوست کو ریستوران کے دروازے پر نمودار ہوتے دیکھا، وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔ یہ احسن کا پرانا کلاس فیلو تھا لیکن زیادہ بے تکلف دوست کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے احسن سے عنبرین کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی۔ وہ جانتا تھا کہ عنبرین، احسن کی منگیتر ہے اور وہ اکثر اس کے ساتھ ریستوران میں نظر آیا کرتا ہے۔ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر احسن واپس عنبرین کی طرف آگیا۔ عنبرین نے اپنے شولڈر بیگ میں سے ایک کتاب نکال لی تھی اور جلدی جلدی اس کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ احسن کو واپس آتے دیکھ کر اس نے کتاب دوبارہ بیگ میں رکھ دی اور گرم گرم چکن کارن سوپ پیالوں میں ڈالنے لگی۔

"اف یہ کتابیں!" احسن نے نیپکن اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا "پانچ منٹ کا وقفہ ملا اور اس میں بھی چار چھ صفحے دیکھ ڈالے۔"

"تم دور ہوتے ہو تو پھر کتابوں کو پاس کر لیتی ہوں۔" عنبرین نے جوابی حملہ کیا۔

"جب میں پاس آجاؤں گا تو پھر کتابیں دور ہو جائیں گی؟" احسن نے پوچھا۔

"اگر تم ایسا چاہو گے تو پھر ہو جائے گا۔" وہ مسکرائی۔

ایسی ہی ہلکی پھلکی گفتگو میں انہوں نے سوپ پیا...... پھر کھانا کھایا...... اور پھر اپنی اپنی گاڑی پر اپنے اپنے گھر روانہ ہوگئے۔ قریب آنے کی امید ہو تو دور جانا بھی اچھا لگتا ہے۔ جب وصل یقینی ہوتا ہے تو پھر ہجر میں لذت سرایت کر جاتی ہے۔

☆☆☆

ایم بی بی ایس کے فائنل امتحان میں عنبرین نے پورے صوبے میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ یہ بڑی غیر معمولی کارکردگی تھی۔ دونوں گھرانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خاص طور سے عنبرین کے گھر میں تو جشن کا سماں تھا۔ انکل قیوم نے فوراً ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا۔ گھر میں ہونے والی اس تقریب میں عزیز و اقارب کے علاوہ میڈیکل کے شعبے کی نمایاں شخصیات موجود تھیں۔ اس کے علاوہ بھی مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے معروف لوگ موجود تھے۔ اس خوب صورت تقریب میں عنبرین ہی سب کی آنکھ کا تارا تھی۔ جھلمل ستاروں والی نیلگوں ساڑی میں وہ قیامت نظر آرہی تھی۔

احسن اور عنبرین کی نگاہیں بار بار ملیں لیکن بات چیت کی گنجائش نہیں نکلی۔ انکل قیوم بیٹی کو بار بار اپنے ساتھ لگا کر اس کا منہ، سر چوم رہے تھے۔ وہ اسے علیحدہ کرتے تو آنٹی رضوانہ (عنبرین کی والدہ) اس سے لپٹنے چپکنے لگتیں۔ احسن اپنی بڑی بہن آصفہ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

زچ ہو کر بولا "باجی...... آخر ہمارا بھی کوئی حق ہے عنبرین پر......"

"کیا مطلب؟" آصفہ نے پوچھا۔

"انکل اور آنٹی مسلسل اس سے چوما چاٹی کر رہے ہیں۔ وہ پہلے ہی کون سی موٹی تازی ہے اسے رگڑ رگڑ کر بالکل ہی گھسا دیں گے۔"

آصفہ اس کے پہلو میں چٹکی کاٹتے ہوئے بولی "تم کیوں کباب ہو رہے ہو۔ آخر وہ ان کی بیٹی ہے۔"

"تو میری بھی تو...... میرا مطلب ہے کہ آپ کی بھی تو بھاوج ہے۔ آپ بھی ذرا اپنے رشتے کا حق جتایئے۔ اٹھیے جایئے۔ تھوڑی سی چوما چاٹی آپ بھی کیجیے۔ میری طرف سے ایک دو بار گلے سے بھی لگا لیجیے۔"

آصفہ اسے مصنوعی غصے سے گھورتے ہوئے بولی "میرے کندھے پر بندوق کیوں رکھ رہے ہو۔ تم خود ہی چلے جاؤ ناں۔"

"مجھے غصہ مت دلایئے۔ میں چلا بھی جاؤں گا۔ بعد میں آپ کو خود ہی خجل خوار ہونا پڑے گا۔ میرے لیے نیا رشتہ ڈھونڈنے کے لیے۔"

اس سے پہلے کہ آصفہ جواب میں کچھ کہتی عنبرین مہمانوں
درمیان سے نکل کر ان کی طرف آتی دکھائی دی۔ ساڑی اس
جسم پر بہت جچ رہی تھی۔ لچکیلی شاخ سا جسم چال کو دل فریب
رہا تھا۔ ''ہیلو باجی!'' اس نے بڑے تپاک سے کہا اور آصفہ
گلے لگ گئی۔

آصفہ نے اس کا منہ ماتھا چوما اور مبارک باد دی پھر عنبرین
ہونے والی جیٹھانی اور جیٹھ جی سے باتیں کرنے لگی۔ گاہے
ے وہ چور نظروں سے احسن کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔ احسن
ابھی تک اسے مبارک باد نہیں دی تھی۔

کچھ دیر بعد عنبرین دوبارہ آصفہ اور احسن کے پاس آن
ڑی ہوئی ''تم نے مجھے مبارک باد کیوں نہیں دی؟'' اس نے
یتی لہجے میں احسن سے کہا۔

احسن بولا ''اسپیشل لوگوں کو اسپیشل مبارک باد۔ اسپیشل
ریب میں دی جاتی ہے۔''

آصفہ نے کہا ''یہ بڑا اندیدہ ہے۔ تم سے اسپیشل ٹریٹ
نگ رہا ہے۔ یعنی کوئی ایسی تقریب جس میں بس مبارک لینے
لا ہو اور دینے والا۔''

عنبرین کے چہرے پر شرم کا رنگ لہرا گیا۔

تین دن بعد عنبرین کو واقعی اسپیشل ٹریٹ دینا پڑی۔ وہ
نوں اپنے پسندیدہ چائنیز ریسٹوران میں آمنے سامنے بیٹھے
ے، اور راز و نیاز کر رہے تھے۔ آج کا بل عنبرین نے ادا کرنا
۔ دونوں بہت خوش تھے۔ بات بے بات ان کے ہونٹ مسکرا
تے تھے۔ اردگرد موجود نگاہیں ان کی طرف تعریفی انداز میں
تی تھیں۔ وہ واقعی ایک خوب صورت جوڑا تھے۔ احسن نے
یک کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا ''میں اب تمہیں زیادہ وقت
ینے کے لیے تیار نہیں ہوں ڈیڈی ستمبر کے شروع میں مجھے کام
سلسلے میں انگلینڈ بھیج رہے ہیں، اور انگلینڈ کی گوریوں کا تو
مہیں پتا ہی ہے، اچھے بھلے شریف آدمی کو پٹری سے اتار دیتی
۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں انگلینڈ جاؤں تو مجھے چاروں
ف تمہارے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے۔ میں بس جلد سے جلد اپنی
ئی نویلی دلہن کے پاس واپس جانے کی ترکیبیں سوچتا رہوں اور
کیبیں سوچتے سوچتے ایک مہینہ گزر جائے۔''

''تم بڑے چالاک ہو احسن۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ نئی
یلی دلہن بھی تمہارے ساتھ ہو تا کہ تمہیں سچ مچ اپنے اردگرد ہی
آئے۔ تم لاشعوری طور پر اپنے بھٹکنے کی گنجائش نکال رہے
رائڈ نے کہا تھا......''

''خبردار...... خبردار...... نفسیات دان مت بنو۔ انسان ہی
'' احسن نے عنبرین کی بات اسی پر الٹ دی۔

دونوں ہنسنے لگے۔ اسی دوران میں عنبرین چونک گئی۔ اس
کی نگاہ اپنے ایک کولیگ پر پڑ گئی تھی۔ یہ ڈاکٹر حسنات تھا۔ گورا
چٹا شخص تھا لیکن نقوش ایسے جاذب نہیں تھے۔ آنکھوں پر نظر کی
عینک تھی۔ عنبرین اس کے ساتھ بڑے تپاک سے ملی۔ احسن کا
تعارف کرائے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ احسن کو عنبرین
کے منگیتر کی حیثیت سے پہلے سے جانتا تھا۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر
کی باتیں ہوتی رہیں، پھر شومئی قسمت ڈاکٹر حسنات کی نظر اخبار
پر پڑ گئی۔ اس انگلش اخبار کے اندرونی صفحے پر میڈیکل کے
حوالے سے کوئی تازہ آرٹیکل چھپا تھا۔ یہ غالباً کوئی بہت دلچسپ
قسم کی ڈسکشن تھی۔ عنبرین اور حسنات کی نگاہیں ایک بار آرٹیکل پر
پڑیں تو پھر جم کر رہ گئیں۔ پہلے وہ دونوں مذکورہ آرٹیکل پڑھتے
رہے پھر تبادلہ خیال میں مصروف ہو گئے جیسے یہ موضوع ''روئے
زمین'' پر موجود تمام موضوعات میں سے اہم ترین ہو۔ ان
دونوں کی گفتگو میں میڈیکل کی ایسی موٹی موٹی اصطلاحات
استعمال ہو رہی تھیں کہ نوے فیصد گفتگو احسن کے پلے نہیں پڑ
رہی تھی۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ اسنیکس...... خوشبودار
کافی...... خوشبودار ماحول اور یہ رنگین شام۔ سب کچھ ایک دم
اس سے بہت دور چلا گیا تھا۔ ایسے ہی موقعوں پر احسن کو محسوس
ہوتا تھا کہ اپنے کام میں عنبرین کی دلچسپی خبط کی حد کو چھوتی ہے۔

جب عنبرین اور حسنات کی بحث نے زیادہ طول پکڑا اور
احسن وہاں خود کو بالکل اجنبی محسوس کرنے لگا تو اس نے رسٹ
واچ دیکھتے ہوئے کہا ''اوہو عنبرین! مجھے یاد ہی نہیں رہا میں نے
نو بجے ممی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا۔''

عنبرین نے چونک کر احسن کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی زود
فہم تھی۔ ایک لمحے میں جان گئی کہ اس سے غلطی ہوئی ہے۔ پچھلے
آدھ گھنٹے سے وہ اسے مسلسل نظر انداز کر رہی ہے۔ جس کے سبب
وہ خفا ہو گیا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ فی الوقت کچھ کہنا سننا
فضول ہے۔ احسن کے اٹھتے ہی عنبرین اور حسنات بھی اٹھ گئے۔
بظاہر وہ تینوں ہنستے مسکراتے رخصت ہوئے لیکن عنبرین جانتی تھی
کہ صورت حال کشیدہ ہے۔

احسن جب گھر پہنچا تو بے حد بیزار تھا۔ وہ عنبرین سے ٹوٹ
کر پیار کرنے لگا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ کسی
لڑکی کی محبت میں گرفتار ہوگا اور اتنی شدت سے ہوگا۔ عنبرین کے
بغیر زندگی گزارنے کا اب وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن پتا نہیں
کیوں کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ عنبرین کے مزاج کے کچھ پہلو اس
کے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ وہ ایک غیر معمولی لڑکی تھی اور اس کے
مزاج کے وہ چند پہلو بھی غیر معمولی تھے۔ حسب توقع اگلے روز
شام سے کچھ پہلے عنبرین کا فون آ گیا۔ یہ فون اس نے آفس
میں کیا تھا۔ فون احسن نے ریسیو کیا لیکن ایک بار ہیلو کہنے کے
بعد وہ کچھ بولا نہیں۔ عنبرین بار بار ہیلو کہتی رہی اور وہ خاموش

رہا۔ آخر اکتا کر عنبرین نے فون بند کردیا۔ احسن فون سیٹ کے پاس خاموش بیٹھا رہا اور عنبرین کی اگلی کال کا انتظار کرتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ چار پانچ منٹ کے اندر وہ دوبارہ ''رنگ'' کرے گی۔ اس کی یہ توقع درست تھی۔ قریباً پانچ منٹ بعد اس نے پھر کال کی۔ اس بار بھی وہ ہیلو کہنے کے بعد خاموش ہوگیا۔ وہ اسے منانے میں مصروف ہوگئی۔ بڑی محبت سے...... بڑی لجاجت سے...... وہ کل والے واقعے پر اس سے معذرت کررہی تھی ''احسن......! وہ بڑا عجیب آرٹیکل تھا۔ اسلام آباد کے ایک نہایت سینئر پروفیسر صاحب نے لکھا تھا لیکن اس میں کئی خامیاں تھیں۔ میں نے گھر جاکر پاپا سے بھی بات کی ہے۔ ان غلطیوں کو پوائنٹ آؤٹ کیا جانا چاہیے۔ ورنہ نئے اسٹوڈنٹس کے لیے بڑا کنفیوژن پیدا ہوجائے گا۔ آج کالج میں سینئرز کے ساتھ بھی یہی موضوع ڈسکس ہوتا رہا ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اگر آئندہ ڈیڑھ دو مہینے تک بھی یہ موضوع ڈسکس ہوتا رہا تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ تمہارے جیسی ہونہار ڈاکٹر جو غلطیاں پوائنٹ آؤٹ کرتی ہے وہ معمولی تو نہیں ہوتیں۔''

''تم ابھی تک شدید غصے میں ہو لیکن کیا کروں...... بہت دور بیٹھی ہوں ورنہ تمہیں ایک دم ٹھیک کردیتی۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''شاید تم ٹھیک کرنے والی بات اسی لیے کررہی ہو...... کہ دور بیٹھی ہو میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوگیا ہوں، تم بالکل جلیبی کی طرح سیدھی ہو۔''

وہ دیر تک ہنستی رہی پھر خود کو سنجیدہ کرتے ہوئے بولی ''احسن! میں جانتی ہوں کہ تم میری مجبوریوں کو سمجھتے ہو اور آئندہ بھی سمجھو گے مجھے تم پر بڑا بھروسا ہے احسن۔ اتنا بھروسا...... اتنا بھروسا تو شاید مجھے خود پر بھی نہیں۔''

''میرا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش مت کرو۔''

''میں جانتی ہوں تم کبھی مجھ پر غصہ نہیں کرسکتے۔ یہ سب تو تمہاری ادائیں ہیں اور یہ مجھے اتنی اچھی لگتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔''

''مسکہ مت لگاؤ'' میں واقعی غصے میں ہوں تم مجھے بہکانے کی کوشش مت کرو اور نہ ہی اصل بات میرے ذہن سے نکالنے کی کوشش کرو۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''احسن پلیز......'' وہ پلیز کو بہت لمبا کھینچ کر بولی ''اب غصہ تھوک دو پلیز...... پلیز۔''

احسن نے ٹھنڈی سانس لی ''ایک تو یہ پلیز میرے گٹے گوڈوں میں بیٹھ گئی ہے انگریز یہ لفظ ایجاد نہ کرتے تو مجھ جیسے مظلوموں پر کتنا احسان ہوتا۔''

وہ فرمائشی انداز میں ہنسی۔ احسن بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''مجھے تو لگتا ہے کہ یہ انگریزی کا لفظ نہیں بلکہ کوئی اسم اعظم ہے جس کے زور سے تم ساری زندگی مجھے کانٹوں پر گھسیٹنے والی ہو۔ اللہ میرے حال پر رحم فرمائے۔''

''آمین'' وہ شوخی سے بولی۔

☆☆☆

عنبرین شادی کے بعد بھی تعلیم جاری رکھنا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں عنبرین کے پاپا بے حد پرجوش تھے۔ عنبرین نے احسن سے بھی مشورہ کیا تھا اور اس مشورے کے بعد ہی اس نے گائنی کے حوالے سے ''ڈی۔ جی۔ او'' میں داخلہ لیا تھا۔ بعدازاں وہ باہر سے ''ایم آر سی پی'' کا ارادہ رکھتی تھی۔

دونوں گھرانوں میں چپکے چپکے شادی کی تیاری بھی ہوچکی تھی۔ خواتین بازاروں کے چکر لگانے لگی تھیں۔ شاپنگ کے لیے دبئی جانے کے پروگرام بن رہے تھے۔ عنبرین والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا بس ایک بھائی تھا وہ آسٹرونومی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جرمنی کے خلائی ادارے سے منسلک تھا اور غیر معمولی تنخواہ پاتا تھا۔ عنبرین گھر والوں کی اور خاص طور سے والد کی بہت لاڈلی تھی۔ وہ اس کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ ایک شام وہ اسپتال سے گھر آئی تو بہت تھکی ہوئی تھی۔ چائے کا ایک کپ پینے کے بعد وہ پھر سے اسٹڈی میں گھسنے کی تیاری کررہی تھی کہ پاپا آگئے بولے ''بیٹا جی تمہارے بہت قیمتی وقت میں سے چند منٹ لینا چاہتا ہوں۔''

''آپ کی باتوں سے قیمتی کیا ہوسکتا ہے پاپا جانی۔'' وہ ان کے سینے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

انہوں نے اس کے بالوں کو چوما اور اسے لے کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ چند لمحے تک الفاظ جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنے لگے ''عنبرین بیٹا میں اپنی زندگی میں ایک حقیقت پسند شخص رہا ہوں۔ میں تمہیں بھی خوابوں اور سرابوں کی دنیا سے دور رکھنا چاہتا ہوں تم ایک سائنٹسٹ ہو اور سائنس کی تو بنیاد ہی لاجک ہے میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں پاپا۔''

ڈاکٹر قیوم نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور گہری سانس لیتے ہوئے کہا ''بیٹا جی! میں تمہارے اندر بہت صلاحیت دیکھ رہا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تم بہت آگے تک جاؤ گی اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بہت آگے تک جاؤ...... مگر کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کہیں حالات تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کردیں۔''

''پاپا! کہیں آپ کسی حوالے سے میری شادی کا ذکر تو نہیں کررہے؟''

''تم ٹھیک سمجھی ہو باپ کے گھر سے رخصت ہونے کے

...پرائی بھی جاتی ہے۔ میکے سے زیادہ اس پر سسرال کا حق ...میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہیں مجبوریوں کا سامنا نہ کرنا ...ویسے تو احسن بہت اچھا لڑکا ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے ...لیکن پھر بھی میاں بیوی کے رشتے میں بعض اوقات ...چھوٹی باتیں بھی بڑی بن جاتی ہیں...... اور بات صرف ...شوہر ہی کی نہیں ہوتی شوہر کے سارے گھر والے بھی ...پر اثر انداز ہوتے ہیں۔''

عنبرین نے مسکرا کر اپنے والد کا ہاتھ تھاما ''پاپا جانی! آپ ...بھی فکر مند نہ ہوں...... احسن اور اس کے گھر والوں کے ...کو میں بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں مجھے یقین ہے کہ ...کبھی بھی میرے راستے میں دیوار نہیں بنیں گے۔ احسن کا ...لیتے ہوئے اس کے چہرے پر رنگ سا لہرا گیا تھا۔

ڈاکٹر قیوم بولے ''بیٹا جی! پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم اس ...میں ایک بار احسن سے کھل کر بات کرلو۔''

وہ دوبارہ مسکرائی ''پاپا! آپ کے کہنے سے پہلے ہی میں ...بات کی تھی...... احسن مذاق میں تو الٹ پلٹ مشورے دیتے ...لیکن حقیقت میں وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں اپنی پڑھائی ...جاری رکھوں...... وہ دل کے بہت اچھے ہیں پاپا۔''

''تم اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی نہیں جاننے لگی ...'' ڈاکٹر قیوم نے قدرے شوخی سے کہا۔

''ب...... بس ایک دو دفعہ وہ آصفہ باجی کے ساتھ آئے ...تھے۔'' عنبرین ہکلا کر بولی۔

''اوکے...... اوکے اٹ از آل رائٹ۔'' ڈاکٹر قیوم نے ...کا کندھا تھپتھپایا۔

پھر باپ بیٹی کی گفتگو کا رخ اپنے ''پیشے'' کی طرف مڑ گیا۔ ...انگریزی اخبار میں چند ہفتے پہلے چھپنے والا وہی مضمون زیر بحث ...گیا جس میں سے عنبرین نے چند غلطیاں تلاش کی تھیں۔ ...عنبرین کی وجہ سے اس مضمون کو اور مضمون پر ہونے والی بحث کو ...کافی شہرت ملی تھی۔ عنبرین نے نوجوان ڈاکٹر حسنات کے ساتھ ...مل کر جواب آں غزل کے طور پر اس اخبار میں ایک اور آرٹیکل ...لکھا تھا۔ اس آرٹیکل میں تکنیکی حوالے سے پروفیسر رحیم کے ...آرٹیکل پر تنقید کی گئی تھی۔ اپنے آرٹیکل میں عنبرین نے جو نکتے ...اٹھائے تھے انہیں خاصی توجہ ملی تھی اور ایک ہونہار ڈاکٹر کی حیثیت ...سے متعلقہ حلقوں میں اس کی پہچان ہوئی تھی۔

جب عنبرین اپنے والد سے پیشہ ورانہ امور پر گفتگو کررہی ...تھی اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ یہ وہی چمک ...ہے جو اپنے شعبے کے ''جینئس'' لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس ...چمک کو دیکھ دیکھ کر ڈاکٹر قیوم کی آنکھوں میں والہانہ پیار امڈ رہا

تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد عنبرین اور احسن کی شادی ہوگئی۔ یہ ڈیڑھ ماہ گزرتے پتا بھی نہیں چلا۔ اتنی مصروفیت تھی کہ خبر ہی نہیں ہوئی تھی کہ کہاں دن چڑھا کہاں رات ہوگئی۔ شادی کی تاریخ طے کرتے ہوئے خیال رکھا گیا تھا کہ عنبرین کی پڑھائی کا حرج نہ ہو۔ فروری کے آخر میں عنبرین کو تقریباً بیس چھٹیاں ملیں تھیں۔ انہی چھٹیوں کے وسط میں شادی ہونا تھی...... اس اہتمام کے باوجود ایک اَپ سیٹ ہوگیا۔ جس رات عنبرین کی مہندی تھی اس رات نو بجے کے قریب اس کے لیے میو اسپتال سے ایک ہنگامی کال آگئی...... بلڈ پریشر کے مرض میں مبتلا ایک جاں بلب مریض اسپتال لایا گیا تھا۔ اس خاص قسم کے مریض کو دیکھنا چند اسٹوڈنٹ ڈاکٹرز کے لیے بہت ضروری تھا۔ درحقیقت اس نوع کے مریض کا انتظار وہ لوگ مہینوں سے کررہے تھے (اس قسم کے معائنے انہیں اکثر کرائے جاتے تھے) عنبرین کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی کی ایک اہم ترین خوشی چھوڑ کر سفید کوٹ پہنے اور بھاگم بھاگ اسپتال پہنچ جائے۔ مہندی کی تقریب بھلا دلہن کے بغیر کیسے منعقد ہوسکتی تھی۔ عنبرین کی سہیلیاں رات گئے تک ڈھولک پیٹتی رہیں۔ گانے گاگا کر ان کے گلے بیٹھ گئے۔ خدا خدا کر کے رات ایک بجے کے قریب دلہن کی واپسی ہوئی اس کے بعد دلہا والوں کو فون کیا گیا کہ وہ آکر رسم کر جائیں۔

سخت گیر قسم کے لوگ ہوتے تو اس بات کو مسئلہ بنالیتے لیکن جیسا احسن تھا ویسے ہی اس کے گھر والے تھے۔ کسی کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی چند عزیزوں نے تھوڑی سی ناک بھوں ضرور چڑھائی بہرحال یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔

مہندی کے بعد شادی کی رسم تھی۔ یہ مرحلہ بخیروخوبی طے ہوگیا اور عنبرین قیوم عنبرین احسن بن کر اپنے نئے گھر میں آگئی۔ بھاری کام دار جوڑے میں سمٹی سمٹائی اور گہنوں سے لدی ہوئی وہ خوبصورت سی گڑیا دکھائی دیتی تھی۔ اس کے اندر کی خوبصورتی نے اس کی ظاہری خوبصورتی کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ ایک روشنی سی اس کے چہرے سے پھوٹتی محسوس ہوتی تھی' اس کے آنے سے احسن کے گھر کے در و دیوار جگمگا اٹھے۔

حجلہ عروسی میں احسن نے گھونگٹ اٹھایا اور بس دیکھتا رہا گیا اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اپنی منزل پانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ وہ اس رشکِ قمر کو حاصل کر کے اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کرتا کم تھا۔

''خوش ہوناں۔'' وہ اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے اٹھاتے ہوئے بولا۔

''آپ خوش ہیں تو میں کیوں خوش نہ ہوں گی۔''

''اررر...... یہ کیا غضب کررہی ہو جیون ساتھی بننے کے

بعد تکلف کی دیواریں گرنی چاہیں یا اٹھنی چاہئیں‘ یہ آپ جناب چھوڑو...... جس طرح پہلے ”تو تڑاخ“ سے بات کیا کرتی تھیں ویسے ہی کرو۔“

”نہیں اب یہ ٹھیک نہیں۔“ وہ پلکیں جھکائے جھکائے بولی۔

”میں تمھاری ناک پر مکہ دے ماروں گا...... مجھے یہ تکلف بالکل پسند نہیں ہے۔“

”لیکن احسن۔“

احسن نے اس کے ہونٹ ہتھیلی سے ڈھانپ دیے، وہ بس سرخ ہو کر رہ گئی۔

کچھ دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے پھر احسن نے بیڈ کے نیچے سے ایک اٹیچی کیس گھسیٹا‘ یہ اٹیچی کیس عنبرین کے سامان کے ساتھ ہی آیا تھا۔ اس میں عنبرین کی کچھ کتابیں تھیں۔ احسن نے اٹیچی کھول کر اس میں سے چند موٹی موٹی کتابیں نکالیں اور عنبرین کے سامنے ترتیب سے رکھتے ہوئے بولا ”لو جانِ وفا! یہ رہیں تمھاری کتابیں اور یہ رہا تمھارا کمرا‘ خاکسار تو یہاں سے جا رہا ہے دراصل میں نہیں چاہتا کہ تمھارے قیمتی وقت میں سے دو تین گھنٹے خواہ مخواہ ضائع ہو جائیں اب صبح ملاقات ہوگی۔“

”لگتا ہے اب تک ناراضگی ہے۔“ وہ پلکیں جھکائے جھکائے بولی۔

”ناراضگی؟ ناراضگی کس بات کی؟“

”میری وجہ سے پرسوں رات سب کو انتظار کرنا پڑا۔“

”ارے ہاں وہ تو میں بھول ہی گیا تھا‘ خیر اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں ڈاکٹرنی سے شادی کی ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔“

عنبرین نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا پھر ساری کتابیں اٹھا کر ایک طرف سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیں۔ بستر خالی تھا یہ محبت کا اشارہ تھا‘ یہ چاہت کی ادا تھی وہ اسے بیٹھنے کی دعوت دے رہی تھی لیکن وہ روٹھے بچے کی طرح کھڑا رہا۔ عنبرین نے ایک بار پھر چمکیلی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ سرخ ہونٹ مسکرانے والے انداز میں کھچ گئے‘ عنبرین نے اس کی کلائی پکڑ لی ”بیٹھ جاؤ ناں...... پلیز۔“

”اوہ خدایا...... پھر پلیز...... تمھاری یہ پلیز میرا ستیاناس کر دیتی ہے۔ پتا نہیں یہ لفظ کہاں کہاں میرے ارادوں کو ڈانواں ڈول کر کے میرے راستے کو کھوٹا کرے گا...... اچھا بھئی اب تم نے پلیز کہہ ہی دیا ہے تو کیا ہو سکتا ہے بندے کو اتنا کمزور بھی نہیں ہونا چاہیے۔“

تازہ پھولوں کی لڑیوں نے ان دونوں کو ڈھانپ لیا۔ دو محبت کرنے والے دل ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے اور پھر اتنے قریب آ گئے کہ دونوں کی دھڑکنیں گڈمڈ ہو گئیں۔

☆☆☆

نئے گھر میں نئی زندگی کا آغاز اچھا تھا۔ سب پیار کرنے والے تھے...... اور سب سے بڑھ کر احسن تھا۔ اس کی عادت مذاق کی تھی‘ مذاق میں وہ بہت کچھ کہتا تھا دل میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ دل آئینے کی طرح صاف شفاف تھا اور اس میں فقط عنبرین کی صورت تھی۔ شادی کے صرف سات آٹھ دن بعد ہی عنبرین نے ”پڑھائی“ پھر سے شروع کر دی تھی۔ وہ بہت سویرے اٹھ جاتی تھی عموماً اسے احسن سے پہلے نکلنا ہوتا تھا لیکن نکلنے سے پہلے وہ احسن کا ہر کام کر جاتی تھی۔ استری شدہ کپڑے باتھ روم میں لٹک رہے ہوتے تھے۔ پالش شدہ جوتے مقررہ جگہ پر موجود ہوتے تھے۔ ٹائی...... رومال...... بریف کیس...... گاڑی کی چابی غرض ہر شے مقررہ جگہ پر پائی جاتی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے گلاب کی تازہ کلی کے نیچے ایک پرچا پڑا ملتا تھا جس پر HAVE A GOOD DAY لکھا ہوتا تھا۔

آفس میں عنبرین کا پہلا فون زیادہ سے زیادہ بارہ بجے تک آ جاتا تھا وہ یوں باتیں کرتی تھی جیسے انہیں بچھڑے پانچ گھنٹے نہیں پانچ ماہ ہوئے ہوں۔ احسن کے بے تابی بھی کچھ اسی نوعیت کی ہوتی تھی۔ اس کے بعد شام تک گاہے بگاہے فون کالز کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ شام کو عنبرین احسن سے پہلے گھر آ جاتی تھی۔ وہ تھکی ہوئی ہوتی تھی لیکن چائے کا صرف ایک کپ لینے کے بعد نو شگفتہ پھول کی طرح دمک اٹھتی تھی۔ اسے احسن کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنا پسند تھا۔ گھر میں کم و بیش چار ملازم موجود تھے لیکن وہ احسن کے حوالے سے کسی کی مدد لینا پسند نہیں کرتی تھی۔

شام کے بعد وہ دونوں کچھ دیر کے لیے گھومنے نکل جاتے۔ نئی ٹویوٹا کار میں گلبرگ والی نہر کے ساتھ ساتھ وہ دور تک جاتے اپنے پسندیدہ چائنیز ریسٹوران میں بیٹھنا انہیں اب بھی بہت اچھا لگتا تھا۔ تاہم ایسے موقعوں پر احسن کے ذہن میں یہ بات موجود رہتی تھی کہ ابھی گھر جا کر عنبرین کو اپنی ”اسٹڈی“ بھی کرنی ہے وہ عنبرین کو از خود واپسی کے لیے مجبور کر دیتا تھا۔ نو بجے کے لگ بھگ عنبرین احسن کو قربت کا ایک چنچل لمحہ سونپ کر اسٹڈی میں چلی جاتی تھی۔ احسن اس دوران میں اہل خانہ کے ساتھ بیٹھتا تھا یا ٹی وی وغیرہ دیکھتا تھا۔ اسٹڈی سے عنبرین کی واپسی ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ اس کے بعد دونوں گراسی لان میں تھوڑا سا مٹرگشت کرنے کے بعد بیڈ روم میں چلے جاتے تھے‘ تنہائی کے وہ لمحے جن کے انتظار میں وہ لمحہ

من کر گزارتے تھے۔ وقت بہت اچھا گزر رہا تھا‘ انہی دنوں احسن کو فرنیچر کے لیے خام لکڑی خریدنے کے لیے میانوالی کی طرف جانا پڑا‘ ضروری تھا کہ وہ موقع پر موجود رہے اور اپنے سامنے لکڑی کٹوا کر اسٹور کرے۔ یہ ایک خاصا دشوار کام تھا لیکن سال میں دو تین بار احسن کو یہ کام بھی کرنا ہی پڑتا تھا۔ اس مقصد کے لیے کبھی کبھی انہیں سائٹ پر ہی کیمپ وغیرہ بھی لگانا پڑتا تھا لیکن اگر کٹائی والی جگہ کے قریب ہی رہائش کا کوئی مناسب انتظام ہوتا تھا تو وہ کیمپ میں رہنے سے گریز کرتا تھا۔

اس مرتبہ بھی کٹائی والی جگہ شہر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ احسن اور اس کے اسسٹنٹ اعجاز نے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ وہ روزانہ صبح سویرے ایک مقامی دوست کی جیپ کے ذریعے سائٹ پر چلے جاتے اور شام کو ہوٹل واپس آ جاتے تھے۔ احسن پہلے بھی ایسے دوروں پر آتا رہا تھا لیکن اس مرتبہ ایک ایک دن کاٹنا اسے مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ دن میں کم از کم دو بار تو فون پر عنبرین سے رابطہ ضرور ہوتا تھا وہ بھی اس کی کمی کو بڑی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ ابھی ان کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ مشکل سے تین ساڑھے تین مہینے گزرے تھے۔ فون پر دونوں میں نوک جھونک بھی ہوتی تھی۔ ایک روز عنبرین بولی۔ ”مجھے تو لگتا ہے کہ آپ اکیلے اکیلے ہنی مون منا رہے ہیں، بھئی کنجوسی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے میں بھی ساتھ ہوتی تو کتنا خرچ آ جاتا۔“

”تم اچھی طرح جانتی ہو کہ شادی کے صرف دس دن بعد اس خاکسار نے تمھارے سامنے ہنی مون کی تجویز پیش کی تھی لیکن ان دنوں جناب کی پڑھائی زور شور سے ہو رہی تھی لہٰذا یہ پروگرام کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔“

”اوہو ایک آدھ دن کا ہنی مون تو منایا ہی جا سکتا تھا۔“ وہ بولی۔

”ایسا ہنی مون تو بس کہیں لاہور ہی میں منایا جا سکتا تھا۔ ہم تکے والے پراٹھے اور برگر وغیرہ بنا کر جناح گارڈن چلے جاتے۔ سارا دن کھاتے پیتے شام کو مال کی سیر کرتے ہوئے واپس آ جاتے۔ بس ہنی مون ختم۔“

”نہ بابا نہ...... ایسے ہنی مون سے بہتر ہے کہ بس تھوڑا سا ہی کھا لیا جائے یہ تو ہو گا نا کہ ابھی ہنی مون منانا ہے۔ اب نہیں تو ایک مہینے بعد‘ ایک مہینے بعد نہیں تو دو مہینے بعد یا پھر گرمیوں کی چھٹیوں میں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے گرمیوں کی چھٹیوں میں کسی پہاڑی مقام پر ہنی مون منائیں گے اور پورے ایک ”مون“ کا منائیں گے‘ یعنی کم از کم ایک مہینہ۔“

”نہ نو من تیل ہوگا نہ ڈاکٹر رادھا ناچے گی۔“ احسن بولا۔ ”گرمیوں میں بھی وہ تمھارے چنگیز صفت پروفیسر صاحب ضرور کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی کر دیں گے کچھ اور نہ ہوا تو سمر کیمپ ہی لگا دیں گے۔“

”ہمارا کوئی سمر کیمپ نہیں ہوتا جناب...... اور دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنے استادِ محترم کے بارے میں کوئی غلط سلط بات سننا پسند نہیں کروں گی۔“

”کیا کرو گی؟“

”عورتوں کے مشہور میگزین ”حقوق نسواں“ میں آپ کے خلاف مضمون چھپوا دوں گی‘ آپ جانتے ہی ہیں کہ آج کل آرٹیکل وغیرہ لکھنے میں میرا قلم خوب چل رہا ہے آپ کے ان پروفیسر رحیم صاحب کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے ہیں آپ کی اس بندی نے۔“

”ارے ہاں میں بھول ہی گیا۔“ احسن نے کہا ”میں نے پرسوں ایک انگلش اخبار میں تمھارے آرٹیکل سے اقتباس پڑھا تھا۔“

دونوں کچھ دیر تک اس اقتباس کے بارے میں بات کرتے رہے پھر کل تک کے لیے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ دیا۔

احسن اوپر اوپر سے تو بولتا رہتا تھا لیکن دلی طور پر عنبرین کی ذہانت اور صلاحیت کا اظہار اسے مسرور کرتا تھا وہ جب کسی میٹنگ یا سیمینار وغیرہ میں اپنے سینئرز کے سامنے بے حد اعتماد سے بولتی تھی اور انہیں قائل کرتی تھی تو غیر محسوس طور پر احسن کی گردن بھی تن جاتی تھی...... اس کے سینے میں عنبرین کی محبت کے کچھ اور پھول کھل جاتے تھے اور ان کی خوشبو سے اس کا وجود کچھ اور مہک جاتا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ وہ عنبرین کو جسم اور روح کی ساری شدتوں سے چاہتا تھا وہ جوں جوں اسے حاصل کر رہا تھا اس کی طلب اور بڑھ رہی تھی۔ طلب اور رسد کا یہ نیا رشتہ عنبرین سے شادی کے بعد ہی اس کی سمجھ میں آیا تھا۔ اسے میانوالی آئے ہوئے ابھی سات دن ہی ہوئے تھے لیکن لگتا تھا کہ سات مہینے ہو گئے ہیں وہ اپنے اندر عنبرین کے لیے ایک عجیب سا خلا محسوس کرتا تھا تھوڑی سی رعایت کے ساتھ اس خلا کو ”بھوک“ بھی کہا جا سکتا تھا وہ عنبرین کے لیے بھوک محسوس کر سکتا تھا۔ اس کی آواز سننے کی بھوک اس کی ہنسی دیکھنے کی بھوک، اس کے ہونٹوں کی‘ رخساروں کی‘ جسم کی بھوک یہ بڑی پیاری سی بھوک تھی۔ دل میں میٹھا میٹھا درد جگاتی ہوئی۔ یہ بھوک اور یہ طلب فطرت کی دین تھی۔ قدرت نے جب جانداروں کے جوڑے بنائے تھے تو یہ طلب پیدا کی تھی اس کے بغیر نظامِ ہستی کا چلنا دشوار تھا اور احسن میں یہ بھوک یک طرفہ نہیں تھی وہ جانتا تھا کہ عنبرین بھی اس کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کرتی ہے۔ احسن کے قرب کی خواہش اسے بھی بے چین رکھتی ہے۔

دسویں دن احسن کی میانوالی سے واپسی تھی۔ ویسے بھی وہ ہفتے کا دن تھا احسن کو معلوم تھا کہ دو پہر ایک دو بجے تک وہ لاہور پہنچ جائے گا۔ چار پانچ بجے تک وہ آرام سے سوئے گا اس کے بعد نہا دھو کر فریش ہوگا پھر وہ دونوں گھومنے نکلیں گے رات کا کھانا بھی کسی اچھے سے ہوٹل میں کھائیں گے۔ رات کو دیر تک جاگیں گے اور اگلے دن چھٹی کی وجہ سے دیر تک سوئیں گے۔ اسے معلوم تھا کہ دو روز پہلے عنبرین نے شاندار بنارسی ساڑی منگوائی ہے وہ تصور ہی تصور میں درجنوں بار اسے اس ساڑی میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے عنبرین سے کچھ کہا نہیں تھا لیکن اسے ننانوے فیصد یقین تھا کہ ہفتے کی خوشنما شام کو وہ اسی ساڑی میں ملبوس نظر آئے گی۔

ہفتے کی سہ پہر کو احسن گھر پہنچا۔ عنبرین نے دلنشیں مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کہا۔ وہ ابھی اسپتال سے واپس آئی تھی۔ بڑی پیاری لگ رہی تھی وہ۔ دونوں نے تنہائی میں کچھ شوخ سرگوشیاں کیں پھر احسن اس کی من موہنی صورت آنکھوں میں بسا کر سوگیا۔ شام سے کچھ دیر پہلے وہ انگڑائی لے کر بیدار ہوا۔ عنبرین نہا کر نکل رہی تھی لیکن جامنی رنگ کی بنارسی ساڑی کی بجائے اس کے کندھوں پر سفید کوٹ نظر آرہا تھا۔ چہرے پر بھی گہری سنجیدگی تھی۔ احسن کا دل دھک سے رہ گیا۔ لیکن اپنے دلی تاثرات اس نے چہرے تک نہیں آنے دیئے، لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے بولا ''ہاں جناب یہ کہاں کی تیاری ہوگئی ہے؟''

وہ تیزی سے اپنے بال لپیٹتے ہوئے بولی ''ویری سوری احسن! اسپتال میں ایمرجنسی ہوگئی ہے مجھے فوری طور پر جانا پڑ رہا ہے۔ شاید رات کو بھی نہیں آسکوں گی۔''

''کیا ہوا ہے؟'' احسن نے بجھے دل سے پوچھا۔

''اندرون شہر شادی کا فنکشن تھا۔ براتیوں کو فوڈ پوائزننگ ہوگئی ہے۔ پچاس ساٹھ مریض اسپتال آچکے ہیں ابھی مزید آرہے ہیں۔ ڈاکٹر عادل نے فوری طور پر بلایا ہے۔ آئی ایم رئیلی ویری سوری احسن!'' وہ گردن ٹیڑھی کر کے بولی۔

''نہیں بھئی! اس میں افسوس کی کیا بات ہے' ڈیوٹی از ڈیوٹی...... مجھے بھی شوروم پر تھوڑا سا کام تھا میں وہاں کا چکر لگا آتا ہوں۔''

عنبرین نے اپنا شولڈر بیگ سنبھالتے ہوئے احسن کا رخسار چوما اور تیزی سے باہر نکل گئی اس کے جانے کے بعد احسن بجھا بجھا سا بستر پر لیٹ گیا۔

شوروم تو اس نے جانا نہیں تھا' ویسے ہی عنبرین سے بات کہہ دی تھی۔ وہ کچھ دیر تک ممی اور بھابی کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر ٹی وی دیکھنے لگا' ٹی وی دیکھنے میں بھی دل نہیں لگا اس نے ڈنر کے طور پر چاولوں کے چند لقمے لئے اور پھر کمرے میں آکر لیٹ رہا۔ عنبرین شاید زیادہ ہی مصروف تھی' وہ اسے فون بھی نہیں کرسکی۔

اگلے روز صبح دس بجے تک بھی عنبرین واپس نہیں آئی تھی۔ ممی سے معلوم کرنے پر پتا چلا کہ صبح پانچ بجے کے قریب اس کا فون آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اسپتال میں کافی مصروفیت ہے وہ ابھی نہیں آسکتی' تازہ اخبار میں بھی یہ خبر موجود تھی کہ زہریلا کھانا کھانے کی وجہ سے بہت سے براتی بیمار ہوئے ہیں۔ اسپتال داخل ہونے والوں میں سے دو افراد جاں بحق ہوگئے تھے جبکہ درجنوں کی حالت تشویش ناک تھی۔

عنبرین شام کے وقت واپس آئی۔ مسلسل مشقت سے وہ نڈھال ہو رہی تھی۔ کھانا کھاتے ہی سوگئی' ٹھیک نو بجے اسے جاگ جانا تھا اور جاگتے ساتھ ہی پھر اسپتال چلے جانا تھا۔ عنبرین کی وہ شب بھی اسپتال میں ہی گزری۔ اگلے روز احسن شوروم چلا گیا۔ دس بجے کے لگ بھگ عنبرین کا فون آیا۔ اس نے تھکی تھکی آواز میں احسن کا حال چال پوچھا۔ احسن بولا ''سیانے ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' عنبرین نے پوچھا۔

''گھر کے مریض کی کوئی فکر نہیں' باہر کے مریضوں کے لیے رات دن ایک کئے جا رہے ہیں۔''

وہ نڈھال سی آواز میں ہنسی ''کیوں آپ کو کیا ہوگیا ہے؟''

پہلے تو اس کا دل چاہا کہ کوئی شوخ سی بات کہے لیکن پھر اندر کی سنجیدگی اس پر غالب آگئی وہ بولا'' کچھ خاص نہیں بس ذرا گلا خراب ہے اور سر بوجھل ہو رہا ہے۔''

''گلا تو بالکل خراب نہیں میں یہ بات فون پر ہی بتا سکتی ہوں' باقی کا مسئلہ میں آکر دیکھ لوں گی۔''

''اور تم آؤ گی کس روز؟'' احسن کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔

''میں تمہاری ناراضگی کی وجہ سمجھ رہی ہو احسن لیکن اسپتال میں صورت حال ابھی تک نارمل نہیں ہوئی' تقریباً چالیس مریض ہم نے دوسرے اسپتالوں میں شفٹ کئے ہیں پھر بھی یہاں رش ہے چند کیس ایسے ہیں جو براہِ راست میری نگرانی میں ہیں۔ شاید ایک آدھ دن مزید میں ڈسٹرب رہوں گی میں تو ڈاکٹر عادل کی ہمت پر حیران ہوتی ہوں وہ پچھلے اڑتالیس گھنٹے سے مسلسل کام کر رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہمیں ترس آنے لگتا ہے لیکن انہیں خود پر ترس نہیں آتا۔ ایسے موقعوں پر ہمیں لگنے لگتا ہے جیسے ہم بوڑھے ہیں اور وہ جوان ہیں۔''

''خیر اتنے بھی بوڑھے نہیں ہیں۔'' احسن نے کہا ''مشکل سے پچپن ساٹھ کے ہوں گے۔''

''ہاں اتنے تو ضرور ہوں گے۔'' عنبرین نے کہا' ''پھر ان

واقعات کا ذکر کرنے لگی جو پچھلے دو دنوں کی ہنگامی ڈیوٹی کے دوران میں پیش آئے تھے۔

احسن بظاہر دلچسپی سے سنتا رہا لیکن اس کا دھیان عنبرین کی باتوں میں نہیں تھا۔ دوپہر کو والد صاحب نے احسن کو بتایا کہ اسے ایک بار پھر میانوالی جانے کی زحمت کرنا ہوگی۔ کسی سرکاری افسر نے چرائی شدہ لکڑی کی نقل و حرکت میں روڑا اٹکایا تھا اور احسن کو اس سے معاملہ طے کرنے جانا تھا۔ ایسے چھوٹے موٹے "معاملات طے" کیے بغیر گزارا نہیں تھا۔ اس مرتبہ دورہ زیادہ طویل نہیں تھا اسے بس ایک رات میں واپس آجانا تھا۔

احسن نے فوری طور پر جانے کی تیاری کرلی روانہ ہونے سے پہلے اس کے جی میں آئی کہ عنبرین کو ایک فون کرلے لیکن پھر نجانے کیوں اس نے فون نہیں کیا، شاید وہ بھی اسے تھوڑا سا ستانا چاہتا تھا...... یا پھر اس کے اندر کی انا اپنی جھلک دکھا رہی تھی۔ ایک دو موقعوں پر پہلے بھی ایسا ہوا تھا۔ عنبرین اپنی گوناں گوں مصروفیات کی وجہ سے جب اسے وقت نہیں دے سکتی تھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی اس سے تھوڑی سی دوری اختیار کرے ایسا کرنا اسے اچھا لگتا تھا اور بعد میں عنبرین اپنی شوخ اداؤں سے اسے رجھاتی اور مناتی تھی تو اسے بہت اچھا محسوس ہوتا تھا۔

اس مرتبہ بھی وہ عنبرین کو آگاہ کیے بغیر میانوالی چلا گیا، وہاں اس کا کام چوبیس گھنٹوں میں مکمل ہوگیا لیکن وہ جان بوجھ کر وہاں ایک دن مزید رکا رہا۔ تیسرے دن بھی وہ رات گئے واپس آیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے تنہا کمرے میں بیٹھ کر ایک بار پھر عنبرین کی فون کال کا انتظار کرنا پڑے۔ اس نے میانوالی پہنچنے کے بعد "پہلے روز" ایک فون کیا تھا اس کے بعد فون بھی نہیں کیا تھا۔ وہ رات دس بجے کے قریب واپس پہنچا تھا۔ عنبرین کو توقع تھی کہ وہ آج آجائے گا۔ وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ایسے موقعے کم ہی آتے تھے کہ عنبرین کو اس کا انتظار کرنا پڑتا تھا بہرحال جب بھی ایسا ہوتا تھا احسن کو اچھا لگتا تھا۔

عنبرین ہلکے گلابی لباس میں تھی، گلابی رنگ اس پر بہت جچتا تھا وہ کچھ خفا خفا دکھائی دے رہی تھی "بڑے افسوس کی بات ہے" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی "ابھی سے یہ نوبت آگئی ہے مجھے بتائے بغیر چلے گئے اور کوئی فون بھی نہیں کیا۔"

"بھئی ایک دم جانا پڑ گیا تھا تمہیں کال کی لیکن رابطہ نہیں ہوا۔"

"اور جناب دو دن وہاں کیا کرتے رہے ہیں۔ ابا جان تو کہہ رہے تھے کہ بس چند گھنٹے کا کام ہے۔"

"کام تو کام ہی ہوتا ہے کسی بھی وقت گھٹ یا بڑھ سکتا ہے...... خیر چھوڑو تمہارے کام کی کیا پوزیشن ہے۔"

وہ اسے خفا نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "میں سب جانتی ہوں آپ کے اندر کو۔" پھر وہ مکہ تان کر احسن کی طرف بڑھی احسن نے اس کی کلائی تھام لی۔ ذرا سا جھٹکا دیا تو وہ "اف اللہ" کہتی ہوئی اس کی آغوش میں نیم دراز ہوگئی۔ دونوں چند لمحے تک ایک دوجے کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھتے رہے پھر عنبرین نارمل لہجے میں بولی "جس دن آپ جناب مجھے بتائے بغیر میانوالی چلے گئے تھے میں شام پانچ بجے ہی گھر آگئی تھی۔ نائٹ ڈیوٹی نہ کرنے پر سر عادل تھوڑا سا ناراض بھی ہوئے تھے لیکن مجھے آپ کی ناراضگی کی زیادہ فکر تھی۔ گھر آکر پتا چلا کہ آپ تو میانوالی پہنچ چکے ہیں بڑے افسوس کی بات ہے۔" عنبرین نے ایک بار پھر اپنا پسندیدہ فقرہ دہرایا۔

"وہ کیا کہتے ہیں اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں۔"

اس سے پہلے کہ عنبرین جواب میں کچھ کہتی، سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی یہ احسن کا فون نہیں ہوسکتا تھا۔ پچانوے فیصد امکان اس بات کا تھا کہ یہ عنبرین کا فون ہوگا اور اسپتال سے ہوگا یا اس کے کسی کولیگ نے کیا ہوگا۔ عنبرین کی طرح احسن بھی چونک کر فون سیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر عنبرین اٹھی اور اس نے فون کا تار "ساکٹ" میں سے نکال دیا فون خاموش ہوگیا وہ مسکرائی اور محبوبانہ انداز سے لہرا کر اس کے گلے سے لگ گئی احسن نے چند لمحے تامل کیا پھر اسے بانہوں میں لے لیا۔

وہ جب ملتی تھی تو یوں ٹوٹ کر ملتی تھی کہ احسن کے سارے گلے شکوے دور کر دیتی تھی۔ اس کے پیار میں موسلا دھار بارش کی سی کیفیت ہوتی تھی۔ موسلا دھار بارش جو خشک زمینوں کو ترا ہی نہیں کرتی انہیں جل تھل بھی کر دیتی ہے۔ احسن جب اس مہربان "موسم" میں بھیگتا تھا تو اندر تک سرسبز ہوجاتا تھا۔

وہ رات دیر تک جاگتے رہے، کھڑکی سے باہر چمکتے ہوئے پوری رات کے چاند کو دیکھتے رہے اور ایک دوسرے کے پہلو میں لیٹے باتیں کرتے رہے۔ احسن نے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دو چار دن کے لیے پہاڑوں پر جائیں گے۔ کام وہی ہوتا ہے جو وقت پر کیا جائے ایک یا دو سال بعد ہنی مون منائیں گے تو وہ ہنی مون تو نہیں ہوگا کیا خیال ہے؟"

"خیال تو ٹھیک ہے۔" وہ اس کے سینے کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرائی۔

"یعنی تمہاری طرف سے گرین سگنل ہے؟"

"ہوں۔" وہ اس کے کندھے میں ناک گھسیڑتے ہوئے بولی۔

"لیکن اگر عین وقت پر تمہیں پھر کوئی کام پڑ گیا تو؟"

"اسے ویٹو کر دوں گی۔"

تین دن کا مختصر پروگرام تھا اس لیے عنبرین نے ایڈجسٹمنٹ کرلی۔ انہیں جمعرات کے روز دوپہر کو مری پہنچنا تھا۔ جمعرات، جمعہ اور ہفتہ وہاں رہنا تھا۔ اتوار کو شام تک واپس آجانا تھا۔

☆☆☆

عنبرین اب اپنے طور پر پختہ ارادہ کرچکی تھی کہ اپنے گھر کو پہلے سے زیادہ وقت دے گی۔ سارے اہل خانہ کو اس سے شکایت رہتی تھی کہ خاص طور سے احسن کو وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ چند موقعوں پر اس سے واقعی زیادتی ہوئی ہے۔ اس نے احسن پر اپنی پیشہ ورانہ مصروفیت کو ترجیح دی ہے۔ ایسے موقعوں پر کچھ عجیب سی کیفیت ہو جاتی تھی اس کی...... اسے یوں لگتا تھا کہ وہ بڑی شدت کے ساتھ دو مخالف سمتوں میں کھنچی جا رہی ہے۔ ایک طرف احسن تھا جسے وہ چاہتی تھی جس کی قربت اسے نہال کرتی تھی۔ دوسری طرف اس کی پڑھائی تھی۔ وہ اپنی فیلڈ میں اس قدر INVOLVE ہو چکی تھی کہ کبھی کبھی تو خود کو خبطی محسوس کرنے لگتی تھی جب وہ اسٹڈی میں مصروف ہوتی تھی۔ اردگرد کے ماحول سے یکسر بیگانہ ہو جاتی تھی۔ کھانے پینے کا ہوش رہتا نہ آرام کا خیال اس کے ذہن میں آتا تھا۔ ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ وہ اسپتال کی لائبریری میں کتابوں کے ڈھیر میں یوں گم ہوئی کہ لائبریری کا وقت ختم ہوگیا۔ لائبریری خالی ہوگئی، ملازمین نے باقی لائٹس آف کر دیں اور صرف اس کے اٹھنے کا انتظار کرتے رہے۔ آخر اسے آگاہ کیا گیا اور وہ چونک کر رہ گئی۔

کلاس فیلوز اور کولیگس میں بھی اکثر اسے اس حوالے سے طنز و مزاح کا نشانہ بنایا جاتا تھا لیکن چونکہ وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکی تھی اور منوا رہی تھی لہٰذا اس کے ساتھ کام کرنے والے دل سے اس کی عزت کرتے تھے۔ کبھی غیر ارادی اور کبھی ارادی طور پر عنبرین کے لیے تعریف کے کلمات بھی ان کے منہ سے نکلتے رہتے تھے۔ ایک بات پر سب ہی ذہنی طور پر متفق تھے اور وہ یہ کہ عنبرین کی صورت میں مستقبل کی ایک بڑی ڈاکٹر سامنے آنے والی ہے۔

ویک اینڈ والے واقعے کے بعد عنبرین کو یہ احساس شدت سے ہوا تھا کہ وہ اپنی مصروفیت میں اپنے نہایت پیار کرنے والے شوہر کو نظر انداز کر رہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب احسن کے منہ سے مختصر ہنی مون والی بات نکلی تھی تو وہ فوراً رضامند ہوگئی تھی...... دو تین دن میں انہوں نے تیاری کرلی اس بات کا امکان موجود تھا کہ وہ اپنے ٹور کا دورانیہ ایک دو دن بڑھا لیتے لہٰذا ضرورت کی ہر چیز وہ پیک کر رہے تھے۔ عنبرین جانتی تھی کہ مری کا موسم لاابالی ہوتا ہے اور شام کے بعد تو اکثر سردی محسوس ہونے لگتی تھی۔ اس نے اپنے اور احسن کے گرم کپڑے پیک کرلیے تھے۔ ہوٹل کے بستروں کو بھی وہ ناقابل اعتبار سمجھتی تھی لہٰذا اوڑھنے اور بچھانے کے لیے اس نے موٹی چادریں لے لی تھیں۔ چند ضروری دوائیں بھی ساتھ رکھ لی تھیں، ہل اسٹیشن پر جانے کے لیے اسے پیکنگ کرنا ہمیشہ سے بہت اچھا لگتا تھا...... اور اب تو ساتھ بھی اپنے جیون ساتھی کا تھا وہ بہت خوش تھی۔

روانگی سے فقط دو دن پہلے فون آیا کہ اس کے پاپا کی طبیعت خراب ہے وہ احسن کے ہمراہ بھاگی بھاگی پاپا کے گھر پہنچی ایک سینئر ڈاکٹر ابھی ابھی چیک کر کے گیا تھا۔ ای سی جی بھی گھر میں ہی ہوئی تھی۔ عنبرین نے بھی چیک کیا پاپا کو انجائنا کی شکایت ہوئی تھی۔ انجائنا کی شکایت کا یہ تیسرا موقع تھا اس مرتبہ تکلیف زیادہ نہیں ہوئی تھی وہ ایک دم خاموش سے ہو گئے تھے۔ عنبرین کا دل بھی بجھ گیا مری کا پروگرام ملتوی کر دیا گیا۔ یہ پروگرام احسن نے خود ملتوی کیا تھا۔ اس نے کہا "عنبرین تم پاپا کی دیکھ بھال کرو اگر یہ ٹھیک رہیں گے تو ہم اگلے ہفتے چلے جائیں گے۔"

ایک دن بعد قیوم صاحب کی طبیعت سنبھل گئی تاہم عنبرین نے اس کے پاس رہنا زیادہ مناسب سمجھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ وہ دوا وغیرہ کھانے میں بے احتیاطی کریں گے ایسی بے احتیاطی کے سبب ایک مرتبہ پہلے بھی وہ کافی تکلیف اٹھا چکے تھے۔ ان دنوں ابھی عنبرین کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ایک بڑی پیاری سہیلی کے ہاتھ پیلے ہو رہے تھے وہ اس کی شادی کی تقریبات "مس" کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی لیکن پاپا جانی کی خاطر اسے ایسا کرنا پڑا تھا۔ عین شادی کے دن وہ صرف بارہ گھنٹے کے لیے پاپا سے دور ہوئی تھی۔ بس اس مختصر وقت میں وہ اپنے کسی دوست سے ملنے اندرونِ شہر چلے گئے تھے وہاں دو تین مرتبہ تین منزلہ مکان کی سیڑھیاں چڑھے تھے اور شدید تکلیف لے کر واپس آگئے تھے غالباً اس واقعے کا ڈر بھی ابھی تک عنبرین کے ذہن میں بیٹھا ہوا تھا۔ پاپا کے ٹھیک ہونے کے باوجود بھی وہ ان سے دور جانا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف احسن کا خیال تھا خدا خدا کر کے احسن کا موڈ کچھ ٹھیک ہوا تھا اب پھر اس کے بگڑنے کا اندیشہ تھا۔

سینے کا درد ٹھیک ہو چکا تھا لیکن پھر بھی قیوم صاحب خود کو مکمل ٹھیک نہیں بتا رہے تھے۔ گاہے بگاہے وہ بازو میں ٹیس کی شکایت کرتے تھے، تیسرے دن قیوم صاحب کے ایک انگریز دوست ڈاکٹر واٹسن انگلینڈ سے آگئے۔ ساتھ میں ان کی وائف ڈاکٹر مارگریٹ تھیں۔ ڈاکٹر مارگریٹ لندن کی ایک مشہور گائنا کالوجسٹ تھیں۔ ان کا بہت نام تھا وہ نہایت منکسر المزاج

اور گھل مل جانے والی خاتون ثابت ہوئیں۔ ڈاکٹر مارگریٹ کے ساتھ عنبرین کی بات چیت ایک بار شروع ہوئی تو پھر دراز ہوتی چلی گئی۔ ڈاکٹر مارگریٹ کی صورت میں عنبرین کو تازہ ترین معلومات اور تجربات کا ایک خزانہ مل گیا تھا۔ شاید ڈاکٹر مارگریٹ کو بھی عنبرین میں ایک نہایت باصلاحیت ڈاکٹر کی جھلکیاں نظر آگئی تھیں وہ اس تک اپنے تجربات منتقل کرنے میں خوشی محسوس کررہی تھیں۔ ایک روز عنبرین کے استاد پروفیسر عادل بھی وہاں آئے اور دیر تک علمی بات چیت ہوتی رہی۔

عنبرین کو پتہ ہی نہیں چلا کہ اگلے چھ سات روز کیسے گزر گئے وہ اسپتال سے سیدھی پاپا کے گھر آجاتی تھی۔ کچھ وقت پاپا کی تیمارداری میں گزر جاتا تھا کچھ ڈاکٹر مارگریٹ کی صحبت میں پھر بھی وہ احسن کو ایک دو بار فون کرنے کا وقت نکال لیتی تھی۔

ساتویں آٹھویں روز جب ڈاکٹر واٹسن اور مارگریٹ واپس گئے تو عنبرین کے بڑے اچھے دوست بن چکے تھے۔ ان کے جانے کے بعد قیوم صاحب نے تکیے سے ٹیک لگائے لگائے عنبرین سے پوچھا ''ہاں بیٹا جی! ڈاکٹر مارگریٹ سے نشستیں کیسی رہیں؟''

''زبردست پاپا جانی...... میں شاید کتابوں سے ایک سال میں اتنا حاصل نہ کرسکتی جتنا ڈاکٹر مارگریٹ سے ایک ہفتے میں کرلیا ہے وہ ایک زبردست خاتون ہیں۔''

''اور بے حد انسان دوست بھی۔'' قیوم صاحب نے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں، پرسوں جب وہ پاکستان میں پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کا ذکر کررہی تھیں تو اتنی جذباتی ہوگئی تھیں کہ میں بیان نہیں کرسکتی وہ بے حد حیران بھی تھیں میں نے جب انہیں زچگی کے دوران میں جاں بحق ہونے والی عورتوں کے اعدادوشمار بتائے تو انہیں یقین نہیں آیا۔ انہوں نے یورپ کے کئی ملکوں میں اس حوالے سے کام کیا ہے اور بڑے اچھے نتائج دیے ہیں۔ کاش ہمارے ملک میں بھی ایسے ذہن کے لوگ آگے بڑھیں اور صورتِ حال میں کچھ بہتری پیدا کریں۔''

''بڑھیں گے بڑھیں گے...... بلکہ ایک تو بڑھ بھی رہی ہے وہ میرے سامنے بیٹھی ہے۔'' قیوم صاحب نے بیٹی کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا۔ چند لمحے توقف کرنے کے بعد وہ بولے ''شاید تمہیں پتا نہیں کہ میں نے جان بوجھ کر تمہیں یہاں روکا ہوا تھا۔''

''کیا مطلب پاپا جانی۔''

''بھئی ٹھیک تو میں دو دن بعد ہی ہوگیا تھا۔ بس جان بوجھ کر ڈھیلا ڈھیلا نظر آتا رہا، بس میرا دل چاہتا تھا کہ میرا بیٹا چھ سات دن میرے پاس رہے۔ مجھے پتا تھا کہ ڈاکٹر واٹسن اور مارگریٹ آرہے ہیں، میں چاہتا تھا کہ تم ڈاکٹر مارگریٹ کو کمپنی دو اور ان سے کچھ سیکھو بھی۔ اگر تم اپنے گھر میں رہتیں تو پھر تم سے روزانہ ہرگز آیا جایا نہیں جانا تھا۔ بار بار آنے جانے سے احسن بھی خواہ مخواہ ڈسٹرب ہوتا۔'' قیوم صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پاپا آپ بہت دھوکے باز ہیں۔'' وہ مکہ تان کر بولی ''پھر ان کے کندھے سے لگ گئی۔

''بھئی کوئی نقصان تو نہیں ہوا تمہارا؟''

''ہوا ہے ناں پاپا۔'' وہ ٹھنک کر بولی ''ہم دونوں نے پچھلے ہفتے تین چار دن کے لیے ہل اسٹیشن جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ آپ کی وجہ سے رک گئے۔''

''اوہو...... تو تم نے مجھے پہلے بتانا تھا۔ خیر اب جو بھی ہے تم نئے سرے سے پروگرام بناؤ اس مرتبہ سارا خرچا میرا ہوگا، بہترین ہوٹل میں تین چار کا قیام اور آنے جانے کا ہوائی ٹکٹ بھی...... کیا خیال ہے؟''

''ہاں اتنی سزا تو آپ کو ملنی ہی چاہیے لیکن میں احسن سے پوچھ کر ہی بتا سکتی ہوں۔'' عنبرین نے کہا اسے اندیشہ محسوس ہورہا تھا کہ شاید اب احسن جانے پر راضی نہیں ہوگا۔

☆☆☆

احسن شوروم .... بس ہفتے میں ایک آدھ بار ہی جاتا تھا ورکشاپ میں چھ بجے کے قریب چھٹی ہوجاتی تھی۔ شادی سے پہلے دو چار دوست تھے۔ ان کے ساتھ شام گزر جاتی تھی۔ اب شادی کے بعد ان دوستوں سے میل ملاقات بھی کم ہوگیا تھا۔ وہ سیدھا گھر آتا تھا اگر عنبرین موجود ہوتی تھی تو ٹائم اچھا پاس ہوجاتا تھا ورنہ وہ تھوڑی دیر ممی اور بھابی کے پاس بیٹھ کر کھویا کھویا سا پھرتا رہتا تھا۔ میاں بیوی کے مسائل یکسر مختلف تھے۔ بیوی کا مسئلہ مصروفیت تھی جبکہ میاں کا مسئلہ فرصت تھی۔ اب بھی عنبرین پچھلے دس گیارہ روز سے میکے میں تھی۔ احسن ٹی وی پر ایک بور سا پروگرام لگائے بیٹھا تھا کہ کال بیل ہوئی۔ احسن کا دل ایک دم دھڑک اٹھا شاید عنبرین آئی تھی، مگر دروازہ کھلا تو بھائی جان اپنے سیاہ بریف کیس سمیت نظر آئے...... بھابی نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا اور بریف کیس ان کے ہاتھ سے لیا۔ وہ ٹائی کی ناٹ درست کرتے احسن کے قریب آن بیٹھے، مسکراتے ہوئے بولے ''ہاں بھئی احسن! عنبرین آئی یا نہیں؟''

''آجائے گی ایک دو روز میں۔'' احسن نے جواب دیا۔

''لیکن بھئی انکل قیوم کے انگریز مہمان تو رخصت ہوچکے ہیں۔''

''انکل کے انگریز مہمانوں سے عنبرین کی واپسی کا کیا تعلق؟''

''تم بھی بڑے سیدھے ہو، ان مہمانوں کے لیے ہی تو عنبرین وہاں رکی ہوئی تھی ورنہ انکل تو دوسرے روز ہی بھلے چنگے ہوگئے تھے، انکل کے معالج ڈاکٹر جمشید نے مجھے خود بتایا تھا۔''

احسن نے اس معاملے پر تھوڑا سا غور کیا تو اسے بھائی جان کی بات میں وزن محسوس ہونے لگا۔ وہ پچھلے آٹھ دس روز میں تین چار بار انکل کی خیریت دریافت کرنے گیا تھا وہ چہرے سے تندرست نظر آتے تھے بس نقاہت کا اظہار کرتے تھے۔ احسن کے اپنے خیال میں انکل کی طبیعت تقریباً ٹھیک ہی تھی۔ گھر میں ان کی دیکھ بھال کرنے والے بھی کافی تھے اس صورت حال میں عنبرین اور احسن مری کا پروگرام بحال کرسکتے تھے لیکن عنبرین نے اس سلسلے میں کوئی بات ہی نہیں کی تھی لہٰذا احسن بھی خاموش رہ گیا تھا۔

اگلے روز عنبرین واپس آگئی، جمعرات کے روز ایک سرکاری تعطیل بھی آرہی تھی لہٰذا عنبرین مری والے پروگرام کے حوالے سے پرجوش نظر آتی تھی۔ اس نے آتے ساتھ ہی ''مری'' کی رٹ لگادی لیکن احسن کی طرف سے متوقع ردِعمل کا اظہار نہیں ہوا۔ وہ عنبرین سے ناراض تو نہیں تھا لیکن پتا نہیں کیوں اس کا مری جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد عنبرین نے انگلی سے احسن کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے کہا ''لگتا ہے کہ آپ ناراض ہیں۔''

''میں کیوں ناراض ہونے لگا بھئی؟''

''اس لیے کہ میری وجہ سے ایک مرتبہ پھر ہمارا درہم برہم ہوگیا۔ دراصل آپ جانتے ہی ہیں کہ پاپا کی ذرا سی تکلیف پر میں پریشان ہوجاتی ہوں۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو، پاپا کی محبت تو بیس سال پرانی ہے۔ ہماری محبت ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی بات ہے۔''

''یہ بات آپ مذاق سے کہہ رہے ہیں ناں؟''

''نہیں بھئی، یہ حقیقت ہے کہ جب لڑکی اپنے شوہر کے گھر آتی ہے تو والدین سے محبت کرتے ہوئے اسے بیس بائیس برس گزر چکے ہوتے ہیں، اگر شوہر یہ توقع رکھے کہ وہ بائیس برس پرانی محبت پر بائیس روز پرانی محبت کو ترجیح دینے لگے تو یہ غلط ہوگا...... تم نے اچھا کیا کہ انکل کے مکمل صحت یاب ہونے کے بعد آئی ہو ویسے بھی تمہارے ہم خیال لوگ وہاں موجود تھے۔ ان کی کمپنی میں تمہارا وقت بھی اچھا گزرا ہوگا۔''

''کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ میں ڈاکٹر مارگریٹ وغیرہ کی خاطر وہاں رکی رہی ہوں؟ یقین کریں احسن ایسی کوئی بات نہیں، میرا مقصد صرف پاپا کی دیکھ بھال تھا...... ہاں یہ ضرور ہوا کہ وہاں ان لوگوں کی وجہ سے وقت اچھا گزرا اور کچھ نئی باتوں کا پتا بھی چل گیا۔ وہ بڑے اچھے لوگ ہیں انہوں نے مجھے...... مم...... میرا مطلب ہے کہ ہم دونوں کو انگلینڈ آنے کی باقاعدہ دعوت دی ہے میرا تو دل چاہتا ہے کہ مئی جون میں وہاں جانے کا پروگرام بنالیں۔ ان دنوں موسم بھی ٹھیک ہوتا ہے۔''

''پروگرام بنانے میں بھلا کیا حرج ہے۔'' احسن کے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی تھا۔

اسی دوران میں بھابی وہاں آگئیں اور ان دونوں کو اپنی گفتگو روکنا پڑی۔

اگلے دو تین روز احسن کچھ خاموش خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ عنبرین اس کی خاموشی کو بڑی جلدی نوٹ کرلیتی ہے اور پھر اسے منانے اور نارمل حالت میں لانے کی ترکیبیں سوچنے لگتی ہے یہ ترکیبیں بڑی پیار بھری...... ہوادار...... اور لذیذ ہوتی تھیں۔ ترکیب پیار بھری اس وقت ہوتی تھی جب وہ رات کی تنہائیوں میں ملتے تھے۔ ہوادار تب ہوتی تھی جب سفید کوٹ اتار کر دوپٹہ کمر سے باندھتی تھی اور احسن کے لیے کوئی لذیذ ڈش پکانے کے لیے کچن میں گھس جاتی تھی۔

اس مرتبہ بھی احسن کسی ایسی ہی ترکیب کا منتظر تھا اور عنبرین بھی غالباً کوئی اچھا موقع اور اچھی ترکیب ڈھونڈ رہی تھی۔ دو چار روز اسی طرح گزرے پھر اچانک عنبرین پر کام کا بے پناہ بوجھ پڑ گیا، وزارت صحت نے دیہاتی علاقوں میں ہیلتھ سینٹرز کے سروے کا ایک ہنگامی پروگرام شروع کیا، میل اور فی میل ڈاکٹرز کی بہت سی ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ عنبرین بھی ایک ایسی ہی ٹیم کی ہیڈ تھی۔ ان لوگوں کو اگلے چند ہفتوں میں گاہے بگاہے فیلڈ میں کام کرنے کے لیے جانا تھا۔

اس اضافی ذمے داری کی وجہ سے عنبرین کی مصروفیت بہت بڑھ گئی وہ اسپتال میں بھی وقت دے رہی تھی اس کے علاوہ اسے رات گئے تک پڑھنا بھی پڑ رہا تھا۔ ان دنوں احسن کو یوں محسوس ہورہا تھا جیسے نوبیاہتا بیوی سے اس کا تعلق بس واجبی سا رہ گیا ہے اپنی اضافی ذمے داری کے سبب وہ اکثر رات نو بجے کے بعد گھر آتی تھی۔ چند لقمے حلق سے اتار کر اور تیز چائے یا کافی پی کر پھر سے اسٹڈی میں گھس جاتی تھی۔ ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ رات کے دو یا تین بجے احسن کی آنکھ کھلی تو عنبرین بستر پر موجود نہیں تھی وہ اسٹڈی میں گیا تو وہ اپنی کتاب یا نوٹ بک کے اوپر ہی میز پر اوندھی پڑی ملی۔ ایسی صورت حال میں احسن کو عنبرین پر ترس آتا تھا اور غصہ بھی آتا تھا۔ وہ کیوں خود کو اس طرح ہلکان کررہی تھی؟ کیا اپنے اور اپنے پاپا جانی کے خوابوں کو پورا کرنا ہی اس کے لیے سب کچھ تھا کیا ان دونوں کی مشترکہ زندگی کوئی نہیں تھی کیا جیون بھر کا رشتہ بے معنی تھا۔

وہ جانتا تھا کہ انکل قیوم ہمہ وقت عنبرین کے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں۔ وہ اس کے پل پل کی خبر رکھتے ہیں کچھ بھی

کیفیت پروفیسر عادل کی بھی تھی۔ ان کے اور بھی کئی ہونہار اسٹوڈنٹ تھے لیکن وہ عنبرین کو خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ عنبرین کے لیے اکثر ان کا فون آتا رہتا تھا۔ اب انہوں نے سروے ٹیم کا انچارج بھی بنادیا تھا یوں عنبرین سے ان کا ربط و میل جول مزید بڑھ گیا تھا۔ احسن کشادہ ذہن اور کھلے دل کا مالک تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں کس وقت نہ چاہنے کے باوجود اس کے پردۂ تصور پر پروفیسر عادل کی شبیہہ ابھر آتی تھی وہ محسوس کرتا تھا کہ اسمارٹ حلیے والے ادھیڑ عمر پروفیسر سے عنبرین کا زیادہ میل جول اسے اچھا نہیں لگتا...... اگر کوئی احسن سے پوچھتا کہ اس بے بنیاد بدگمانی کی وجہ کیا ہے تو وہ شاید اس کا کوئی جواب نہ دے سکتا۔ اس کی وجہ شاید صرف یہ تھی کہ وہ عنبرین سے بے حد ...... بے حد محبت کرنے لگا تھا۔

جب انسان کسی سے پیار کرتا ہے تو اس سے توقع رکھتا ہے۔ جب توقع پوری نہیں ہوتی تو دل میں درد جنم لیتا ہے۔ احسن کا دل بھی آج کل درد سے بھرا ہوا تھا۔ مری کا پروگرام ملتوی ہوگیا تھا اور عنبرین کی وجہ سے ہوا تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ عنبرین اس پر پہلے سے زیادہ توجہ دیتی لیکن وہ پہلے سے بھی کم توجہ دے رہی تھی۔ احسن تو ایک طرف رہا اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ خود پر توجہ دے سکے۔ رات دن وہ بس ایک ہی طرف لگی ہوئی تھی۔ اسے نمایاں کامیابیاں بھی مل رہی تھیں ان کامیابیوں کی وجہ سے احسن خوش بھی ہوتا تھا لیکن اس کے اندر کا درد بھی بڑھ جاتا تھا۔

چھوٹی سے عمر میں ہی عنبرین اپنے سینئرز کی نگاہوں میں آ گئی تھی اور اسے خصوصی اہمیت ملنا شروع ہوگئی تھی۔ الحمرا ہال میں ”پاکستان کی کم سن مائیں“ کے عنوان سے ایک مذاکرہ تھا اس تقریب میں عنبرین کو بھی ایک اہم پیپر پڑھنا تھا۔ حاضرین میں احسن بھی شامل تھا اس کے ساتھ ہی عنبرین کے ممی پاپا بیٹھے تھے۔ احسن کی بھابی بھی اس تقریب میں شریک تھیں۔

عنبرین کے پڑھے ہوئے پیپر کو غیر معمولی پزیرائی ملی، کئی بار تالیاں بجائی گئیں۔ وہ پیپر پڑھ چکی تو مہمان خصوصی نے اسے قریب بلایا اور مختصر مکالمہ کیا، تقریر ختم ہوئی تو پروفیسر عادل احسن وغیرہ کے پاس آئے۔ انہوں نے شاندار سفاری سوٹ پہن رکھا تھا۔ سفید لیکن گھنے بال پیشانی پر جھول رہے تھے، انہوں نے احسن کے فادر ان لا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”قیوم صاحب! عنبرین بہت اچھی جا رہی ہے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مہمان خصوصی حاجی شوکت صاحب نے عنبرین کو بیک اسٹیج پر بلایا ہے۔“

عنبرین کا چہرہ اندرونی خوشی سے تمتمانے لگا۔ پروفیسر عادل صاحب نے عنبرین کو ساتھ لیا اور ایک چھوٹے سے دروازے سے گزر کر بیک اسٹیج کی طرف چلے گئے چند ڈاکٹر خواتین و حضرات انکل قیوم کے گرد جمع ہو گئے اور عنبرین کے پیپر کی تعریفیں کرنے لگے۔ احسن اجنبیوں کی طرح ایک طرف کھڑا تھا ڈاکٹر خواتین و حضرات کی گاڑھی اور ٹیکنیکل گفتگو کا بس کوئی کوئی حصہ اس کی سمجھ میں آتا تھا۔

احسن نے تقریباً آدھا گھنٹا انتظار کیا لیکن عنبرین بیک اسٹیج سے واپس نہیں آئی۔ وہ اپنے سینئرز کے نرغے میں تھی۔ ظاہر ہے کہ ان کی اجازت سے ہی آ سکتی تھی دو گھونٹ چائے پینے کے بعد احسن اپنی بھابی کے ساتھ وہاں سے چلا آیا۔ عنبرین کو گھر پہنچانے کی ذمے داری انکل قیوم نے اپنے سر لے لی تھی۔

عنبرین کی واپسی رات نو بجے کے قریب ہوئی۔ احسن بیڈ روم کے صوفے پر نیم دراز تھا اور خبریں سن رہا تھا۔ عنبرین ٹی وی آف کرتے ہوئے بولی ”یہ کیا مذاق ہے احسن! آپ مجھے وہاں چھوڑ کر چلے آئے۔“

”بھئی! میرا ضروری فون آنا تھا میانوالی سے...... اور ویسے بھی تمہارے پاپا وہاں تمہارے پاس تھے۔“

وہ بڑے غور سے احسن کو دیکھتے ہوئے بولی ”یہ کیا چکر ہے جناب پہلے آپ پاپا کو انکل یا انکل قیوم کہا کرتے تھے اب ان کے لیے ”تمہارے پاپا“ کا لقب استعمال کرتے ہیں۔“

”تم تو بال کی کھال اتارتی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے روانی میں کہہ دیا ہوگا۔“

”خیر اتنی بچی نہیں ہوں میں...... آپ کچھ بدلے بدلے نظر آتے ہیں۔“

”کیا بدل گیا ہے مجھ میں؟“

”آپ کچھ چپ چپ رہتے ہیں۔“

”کمال ہے بھئی تم نے بڑی جلدی نوٹ کرلیا کہ میں چپ چپ رہتا ہوں۔ صرف بیس پچیس دن کے اندر...... ونڈر فل...... فینٹاسٹک میاں بیوی انڈر اسٹینڈنگ ہو تو ایسی ہو۔“

”اوہو! آپ تو کچھ زیادہ ہی غصے میں لگتے ہیں۔“ وہ اپنی فائل ایک طرف پھینکتے ہوئے بولی۔

احسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عنبرین نے اپنا اسٹیتھسکوپ ڈریسنگ ٹیبل پر لٹکا دیا...... اپنا سفید کوٹ اتار کر دور پھینکا اور اپنا جوڑا کھول کر بال شانوں پر بکھیر دیے وہ ایک دم ہی ڈاکٹر سے بیوی نظر آنے لگی وہ دونوں ہاتھ کولہوں پر ٹکائے بڑی ادا سے کھڑی رہی اور احسن کو دیکھتی رہی جو ایک بار پھر خبروں میں مگن نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عنبرین کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اس نے ٹی وی ایک بار پھر آف کر دیا اور ٹی وی کے عین سامنے کھڑی ہوگئی۔

”یہ کیا بچگانہ حرکت ہے؟“ احسن نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

”اور آپ جو فرما رہے ہیں یہ کون سی بالغانہ حرکت ہے؟“ وہ ترت بولی۔

”جاؤ تمہاری اسٹڈی کا وقت ہو رہا ہے ابھی تمہارے پاپا کا فون آجائے گا، وہ باز پرس شروع کر دیں گے۔“

”پھر وہی لفظ...... تمہارے پاپا...... میرا اندازہ بالکل ٹھیک ہے آپ بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں۔“

”میں نہیں بدل رہا۔ شاید وقت بدل رہا ہے۔“ احسن نے کہا اور اٹھ کر قریبی صوفے پر بیٹھ گیا۔ یہاں میگزین پڑے تھے وہ یونہی ورق گردانی کرنے لگا۔

چند لمحے بعد اس نے محسوس کیا کہ عنبرین اس کے بہت قریب ہے۔ وہ عقب سے آئی اور بڑے پیار سے بانہیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔ وہ اس پر لدی گئی تھی۔ اس کے ہونٹ احسن کے چہرے سے سرگوشیاں کرنے لگے تھے۔

احسن اسے جھٹک کر بستر پر نیم دراز ہوگیا وہ گائیڈڈ میزائل کی طرح اس کے پیچھے آئی۔ اس نے احسن کو بازوؤں میں لے لیا اس کا رخ اپنی جانب پھیرنے کی کوشش کرنے لگی۔ ساتھ ساتھ اس کے شوخ فقرے بھی احسن کی سماعت سے ٹکرا رہے تھے لیکن آج تو وہ کسی صورت ماننے میں نہیں آ رہا تھا۔ امی جان کی اصطلاح میں بالکل لوہے کا تھن بنا ہوا تھا اس سے پہلے ایسی میٹھی میٹھی کشمکش پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں چلا کرتی تھی لیکن آج تو تقریباً ایک گھنٹا گزر گیا تھا اور یہ کشمکش کچھ ایسے میٹھی میٹھی بھی نہیں تھی۔ احسن کے چہرے پر بیشتر وقت گہری سنجیدگی طاری رہی تھی۔ آخر عنبرین بھی کچھ خفا خفا سی نظر آنے لگی احسن کو لگا کہ وہ بھی منہ پھیر کر سو جائے گی، لیکن پھر جلد ہی عنبرین نے خود پر قابو پالیا اور دوبارہ احسن کو منانے میں لگ گئی وہ احسن کو ہنسانے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے احسن کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اور زور لگا کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑنے کی کوشش کی ”پلیز ایسا مت کریں...... ورنہ میں سچ مچ رونے لگ پڑوں گی۔“

پلیز کا لفظ اس کے منہ سے ایسی خوبصورتی اور نزاکت سے ادا ہوتا تھا کہ احسن کی ناراضگی جھاگ کی طرح بیٹھنے لگتی تھی۔ وہ ذرا سا ڈھیلا پڑا تو عنبرین کو بھی اندازہ ہوا کہ اس کے ہونٹوں سے ”اسم اعظم“ نکلا ہے جس کی وجہ سے یہ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ اس نے لوہا گرم دیکھ کر دو تین اور ضربیں لگائیں ”پلیز احسن...... پلیز...... پلیز اپنی رونی شکل ٹھیک کریں ایک بار پھر پیالے (پیارے) سے بچے بن جائیں۔“

کوشش کے باوجود احسن اپنی مسکراہٹ ہونٹوں میں نہیں دبا سکا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طویل سانس لے کر اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ ریشمی زلفوں کی مہکار اسے ڈھانپتی چلی گئی...... اگلا دن بھی کافی خوشگوار تھا کئی دنوں کے مسلسل کام سے عنبرین کچھ تھکی تھکی نظر آتی تھی۔ اس نے اسپتال سے ایک دن کی چھٹی لے لی تھی۔ احسن کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ وہ بس ورکشاپ کا ایک چکر لگا آتا تھا تو اس کے بعد بس چھٹی ہی چھٹی تھی۔ وہ دو گھنٹے میں ورکشاپ سے ہو کر واپس آ گیا۔ لنچ کے بعد وہ دونوں گھومنے نکل گئے۔ وہ جب خوش ہوتی تھی تو اس کے پورے جسم سے خوشی پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔ ہنستی تھی تو یوں لگتا تھا کہ اس کا پورا جسم کھلکھلا رہا ہے۔ گلشن اقبال کے سبزہ زار میں بیٹھے ہوئے عنبرین نے کہا ”احسن میں سچے دل سے کہہ رہی ہوں میں اپنے اور آپ کے لیے وقت نکالنا چاہتی ہوں۔“

”وقت نکالنے کی بات تم یوں کر رہی ہو جیسے کوئی دولت مند اپنی بے شمار دولت میں سے کچھ رقم فلاحی کاموں کے لیے نکالنا چاہتا ہے۔“ احسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا اشارہ دے رہے ہیں۔“ عنبرین نے پوچھا۔

”بھئی یہ تمہارا بے پناہ حسن ایک دولت ہی تو ہے کسی وقت ترس کھا کر تم اس میں سے چند روپے مجھ پر خرچ کر دیتی ہو۔“

”بہت افسوس کی بات ہے۔“ اس نے مصنوعی ناراضگی کے ساتھ اپنا پسندیدہ فقرہ دہرایا ”آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں؟“

”وہی سمجھوں گا ناں جو سمجھ میں آتا ہے۔“

”آپ کی سمجھ بالکل ناقص ہے میرے پاس کوئی دولت نہیں لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہے تو پھر یہ ساری آپ کی ہے آپ اس کی ایک ایک پائی خرچ کر سکتے ہیں۔“ اس کی آنکھوں میں شرمگیں شوخی تھی۔

”خدا کا نام لو، آہستہ بولو کہیں انکل قیوم نے سن لیا تو تمہارا دو کانوں میں سر کر دیں گے۔“

”دیکھیں آپ پھر پاپا کو درمیان میں گھسیٹ رہے ہیں۔ پاپا کو ہمارے آپس کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں وہ تو بس میری اسٹڈی کی بات کرتے ہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کی اولاد میں سے کوئی میڈیکل کی لائن میں آئے اور نام پیدا کرے۔ بھائی ندیم آصف سے ان کی یہ توقعات پوری نہیں ہوئیں تو ان کی ساری آرزوؤں کا محور میں بن گئی۔ آپ نہیں جانتے احسن میرے حوالے سے پاپا کی یہ خواہش کتنی شدید ہے۔ میں نے سب کچھ آپ کو بتایا تھا اور آپ سب کچھ جانتے بھی ہیں۔“

گفتگو زیادہ سنجیدہ ہوتی جا رہی تھی۔ احسن نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا ”میں کب کہتا ہوں جان جہاں کہ پاپا جان کی آرزوئیں پوری نہ کرو لیکن اس چکر میں اس خاکسار کا نقصان تو نہ ہو۔“

”آپ کا نقصان؟ میں سمجھی نہیں۔“

”اچھا میں تمہیں مثال دے کر سمجھاتا ہوں۔ اب یہ تمہاری

آنکھیں ہیں یہ اس خاکسار کے جینے کا سہارا ہے' یہ خاکسار اکثر تنہائی میں گنگناتا ہے۔ تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے ......اب اگر موٹی موٹی کتابیں چاٹ کر تمہاری ان حسین آنکھوں پر عینک لگ گئی تو اس خاکسار کا نقصان ہوا یا نہیں، بتاؤ ہوا یا نہیں؟'' وہ اپنے چہرے پر دنیا جہان کی پریشانی سمیٹ کر بولا۔

عنبرین مسکرائی ''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہماری فیملی میں کسی کو بھی چالیس سال سے پہلے عینک نہیں لگی۔ چلو مان لیا میں زیادہ پڑھتی ہوں مجھے پینتیس سال کی عمر میں لگ جائے گی لیکن اس وقت تک آپ کافی سنجیدہ اور شریف ہو چکے ہوں گے۔'' وہ ''شریف'' پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''اگر سنجیدگی اور شرافت سے تمہاری مراد یہ ہے کہ میں تمہاری خوبصورتی کا پرستار نہیں رہوں گا تو پچانوے سال کی عمر کو پہنچ کر بھی میرے اندر سنجیدگی اور شرافت نہیں آئے گی تم دیکھ لینا۔''

''اللہ کرے میں دیکھوں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ اس کے دلکش جسم سے خوشی شعاعوں کی طرح پھوٹتی محسوس ہوئی۔

دونوں کچھ دیر خاموش بیٹھے گلشن اقبال کی جھیل میں تیرتی سفید بطخوں کو دیکھتے رہے اور گلابوں کی مہک اپنے اندر کھینچتے رہے۔ ''میں نے سنا ہے انکل گلبرگ ٹو میں ہمارے قریب ہی کوٹھی لینے کا سوچ رہے ہیں؟''

''بس ان کے منصوبے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خرگوش کی رفتار سے سامنے آتے ہیں لیکن پھر کچھوے کی رفتار سے برسوں برس رینگتے رہتے ہیں۔ لیکن آپ ایک دم اتنے فکر مند کیوں ہو گئے ہیں جناب۔''

''بھئی میں فکر نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ پہلے ہی میرے بیوی نوے فیصد اپنے پاپا جانی کے پاس ہے۔ اب پاپا جانی محلے دار بھی بن گئے تو باقی دس فیصد بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' احسن نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''بڑے افسوس کی بات ہے' میں گھر واپس جا رہی ہو۔'' وہ سامان سمیٹنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

احسن نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچ کر پھر سے پاس بٹھا لیا۔ اتنے میں دو لڑکیاں قریب سے گزریں۔ عنبرین کو پہچان کر وہ رک گئیں ''اوہ ڈاکٹر عنبرین آپ یہاں؟ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی پرسوں آپ کو ٹی وی کے پروگرام میں دیکھا۔ بڑا اچھا لگا۔''

''تھینک یو......تھینک یو ویری مچ۔'' عنبرین نے ملاقات مختصر کرنے کے لیے کہا۔

''ہم جیسے جونیئرز تو آپ کی باتوں سے بھی بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ آپ کا اگلا پروگرام کب ہوگا۔'' ایک لڑکی پرجوش انداز میں بولی۔

''کچھ کہہ نہیں سکتی' آج کل فیلڈ ورک کی وجہ سے مصروفیت بہت ہے۔''

''لیکن پروفیسر عادل تو کہہ رہے تھے کہ آپ ہر ہفتے آیا کریں گی۔''

پتا نہیں کیوں پروفیسر عادل کے نام سے احسن کو الرجی ہو گئی تھی کوئی اور موقع ہوتا تو اس کا موڈ ضرور اپ سیٹ ہو جاتا لیکن آج وہ کافی خوشگوار موڈ میں تھا اور ماحول بھی بہت اچھا تھا۔ عنبرین نے کوشش کر کے جلد ہی لڑکیوں سے جان چھڑا لی وہ دونوں جھیل کے ساتھ ساتھ فٹ پاتھ پر ٹہلتے ہوئے کینٹین کی طرف روانہ ہو گئے۔ موسم بدل چکا تھا لیکن ہوا میں ابھی زیادہ خنکی نہیں آئی تھی۔ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس ''سب اچھا'' میں ٹی وی پروگرام کا ذکر چھیڑ کر احسن ماحول خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ عنبرین سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا وہ واقعی ہر ہفتے ٹی وی شو میں آیا کرے گی' عنبرین نے اسے بتایا تھا کہ ایسا کبھی کبھار ہوا کرے گا۔

انہوں نے رات کا کھانا اپنے پسندیدہ چائنیز ہوٹل میں کھایا۔ ایک آرٹ مووی دیکھنے کی تمنا احسن کے دل میں کئی ہفتوں سے تھی لیکن عنبرین بہت مصروف تھی اور وہ عنبرین کے ساتھ دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک بار تو وہ فلم کی کیسٹ گھر لے بھی گیا تھا لیکن تھکی ہاری عنبرین کو ڈسٹرب کرنے کی بجائے اس نے اگلے روز فلم دیکھے بغیر واپس کر دی تھی۔ آج دونوں چونکہ بالکل فارغ تھے اور موڈ بھی بہت خوشگوار تھے اس لیے احسن نے پھر سے فلم ڈھونڈی۔ لبرٹی کی ایک شاپ سے فلم لے کر وہ دس بجے کے قریب گھر پہنچے۔ اہل خانہ سے سلام دعا کے بعد وہ بیڈ روم میں چلے گئے۔ ابھی وہ اہتمام کے ساتھ فلم دیکھنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ کال بیل بجی پھر شوروغل کی آواز آئی اور انکل قیوم دندناتے ہوئے اندر آ گئے وہ اکیلے نہیں تھے دیگر اہلِ خانہ بھی ساتھ تھے۔

احسن اور عنبرین بھی کامن روم میں آ گئے تھے۔ انکل قیوم نے گرمجوشی کے ساتھ احسن سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر احسن! میں ہوں آپ کا ''نیا محلے دار ڈاکٹر قیوم'' اور یہ میری فیملی ہے......ہم آپ کی ساتھ والی لین میں کوٹھی نمبر 88-B میں آئے ہیں۔''

احسن کے اہل خانہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے کچھ یہی کیفیت احسن اور عنبرین کی بھی تھی ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پاپا؟'' عنبرین تعجب سے بولی۔

انکل قیوم نے اپنا مخصوص قہقہہ لگایا اور بولے ''بیٹا! مجھ پر یقین نہیں تو اپنی امی سے پوچھ لو۔ یہ تو مذاق نہیں کیا کرتیں......

کیوں احسن بیٹا تمہاری آنٹی تو مذاق نہیں کرتی ناں؟''

''یہ انکل کیا کہہ رہے ہیں آنٹی؟'' احسن نے پوچھا۔

''بس ان پر سرپرائز دینے کا بھوت سوار تھا۔ سو انہوں نے دے دیا ہے۔'' آنٹی بھی مسکراتے ہوئے بولیں ''ہم واقعی آپ لوگوں کے محلے دار بن چکے ہیں۔ پچھلے مہینے کے آخری دنوں میں کوٹھی کا اچانک ہی سودا ہو گیا تھا۔ لیکن عنبرین کے پاپا نے یہ بات آپ سے چھپائے رکھی۔''

عنبرین کا چہرہ اندرونی مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ پاپا کے گلے سے لگتی ہوئی بولی ''پاپا! آپ بڑے خراب ہیں آخر وقت تک پتا ہی نہیں چلنے دیتے کہ کیا ہو رہا ہے۔''

''ہاں بھئی! میں خراب نہ ہوتا تو تمہارا پاپا کیسے ہوتا۔'' انکل قیوم نے ایک بار پھر مخصوص قہقہہ لگایا۔ سب ہی ہنسنے لگے۔

یوں تو احسن بھی اس ہنسی میں شریک تھا لیکن اس کے ذہن میں انجانے وسوسوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا کچھ دیر پہلے گلشن اقبال میں چہل قدمی کرتے ہوئے احسن نے جو باتیں مذاق میں کہی تھیں وہ سو فیصد مذاق نہیں تھیں۔ ان میں حقیقی اندیشے بھی شامل تھے۔

انکل قیوم اور دیگر اہل خانہ نے جو سرپرائز دیا تھا اس نے واقعی سب کو حیران کر دیا۔ حیرانی اور شوروغل کے اس سیلاب میں فلم کا پروگرام تو خیر حقیر تنکے کی طرح بہہ ہی گیا۔ اس کے علاوہ بہت کچھ پروگرام کے برعکس ہوا۔ دو گھنٹے تک گھر میں خوب ہلا گلا ہوا' پھر احسن کے سارے گھر والے گاڑی میں لد کر انکل قیوم کے نئے گھر پہنچے اور وہاں رات کے آخری پہر تک شور شرابہ ہوتا رہا۔ احسن اپنی شریک حیات کی خوشی کے لیے بظاہر تو اس ہنگامے میں شریک تھا لیکن اندر سے اس کا دل بجھا ہوا تھا، پتا نہیں کیوں اسے لگ رہا تھا کہ اس کی ازدواجی زندگی میں نمودار ہونے والی دراڑیں مزید وسیع ہو جائیں گی۔

☆☆☆

اگلے دو تین ماہ میں وہی کچھ ہوا جس کا احسن کو خوف تھا۔ پہلے تو انکل قیوم اور عنبرین میں صرف ٹیلیفونک رابطہ ہی تھا اب بوقت ضرورت وہ خود بھی عنبرین کے پاس آ دھمکتے تھے۔ اکثر ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی ڈاکٹر ہوتا تھا یا میڈیکل لائن سے تعلق رکھنے والا کوئی اور شخص۔ علمی بحثیں ہوتی تھیں' کتابیں کھنگالی جاتی تھیں......انسائیکلوپیڈیا کھولے جاتے تھے' تازہ ترین میگزین دیکھے جاتے تھے......عنبرین ہر ہفتے ٹی وی پر بھی باقاعدگی سے آ رہی تھی' ماؤں کی صحت کے حوالے سے اس کا پروگرام دن بدن مقبولیت اختیار کر رہا تھا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ اشتہارات کی وجہ سے پروگرام کا دورانیہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس پروگرام کی مقبولیت کے بعد عنبرین ایک جانی پہچانی شخصیت بن گئی تھی۔ اخبار و رسائل میں اس کی تصاویر بھی دیکھی جا رہی تھیں۔ عنبرین کی زیادہ مصروفیت کی وجہ سے احسن اور عنبرین کا تعلق کچھ مزید کمزور پڑ گیا تھا۔ صرف ہفتے کی شب ہوتی تھی جب عنبرین خود کو قدرے پرسکون محسوس کرتی تھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اور احسن اکھٹے وقت گزاریں لیکن مصروفیت کے پیدا کیے ہوئے مسائل کہیں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ کبھی فون کی گھنٹی بج رہی ہے' کبھی کوئی ملنے کے لیے آ رہا ہے' کبھی اسپتال میں کسی ایمرجنسی کے سبب اچانک جانا پڑ گیا ہے۔ اس سب کے باوجود عنبرین احسن کے لیے وقت نکالنے کی کوشش کرتی۔ وہ ہر طرف سے آنکھیں اور کان بند کر کے احسن کی بانہوں میں گم ہو جاتی تھی۔ اپنے بے پناہ پیار سے اپنی بے پناہ مصروفیت کی تلافی کی کوشش کرتی تھی......اور اس کا پیار اتنا والہانہ ہوتا تھا کہ کچھ عرصے کے لیے احسن واقعی سارے گلے شکوے بھول جاتا تھا۔ قرب کی دلکشی دوری کے غبار کو دھو دیتی تھی' مگر جو حقائق تھے وہ بھی اپنی جگہ اٹل تھے۔ جدائی کے وقفے طویل ہوتے جا رہے تھے اور ملن کا دورانیہ سکڑتا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ دونوں حالات کے قیدی بنتے جا رہے ہیں۔ احسن کی بھرپور خواہش تھی کہ اس کی ازدواجی زندگی میں تلخی زیادہ بڑھنے نہ پائے لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی؟ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہو جاتا تھا۔ حالات بہتر ہونے کے بعد اچانک پھر بگڑ جاتے تھے۔ دور لے جانے والی قوتیں زور پکڑ رہی تھیں' قریب لے جانے والی کشش کمزور پڑ رہی تھی۔ اب تو خوبصورت ہونٹوں سے ادا ہونے والا ''پلیز'' کا لفظ بھی بے کار ہوتا جا رہا تھا۔

اس دن بھی حالات کچھ بہتر نظر آ رہے تھے لیکن پھر اچانک بگاڑ پیدا ہو گیا اور بگاڑ بھی ایسا جس نے بہت کچھ درہم برہم کر دیا۔ ان کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی' عنبرین نے دو دن کے سارے پروگرام کینسل کر دیے تھے۔ ذاتی فون بند کر دیا تھا۔ اسپتال میں بھی یہ کہلوا دیا تھا کہ وہ آؤٹ آف اسٹیشن ہے۔ احسن نے بھی عنبرین کو بتایا تھا کہ اس نے اپنی ساری مصروفیات ملتوی کر دی ہیں (حالانکہ اس کی کچھ ایسی زیادہ مصروفیات بھی نہیں تھیں۔ لیکن بھرم رکھنے کے لیے وہ اکثر عنبرین کے سامنے یہ بے ضرر جھوٹ بولا کرتا تھا)

شام کو سالگرہ کی تقریب سے پہلے عنبرین نے خوبصورت لباس پہنا۔ احسن نے ہیرے کا جیولری سیٹ اپنے ہاتھ سے عنبرین کو پہنایا وہ ایک دم نئی نویلی دلہن نظر آنے لگی۔ احسن کا دل چاہا کہ وہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اتنی دور لے جائے جہاں گردش ایام ان دونوں کو چھو بھی نہ سکے لیکن وہ جانتا تھا ایسا نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی حالات ایسا ہونے دیں گے۔ عنبرین اس

کے کندھے سے سر ٹکاتے ہوئے بولی ''آج میں بہت خوش ہوں اور اس کی دو وجوہات ہیں۔''
''کون کون سی؟'' احسن نے پوچھا۔
''ایک تو یہ کہ آج میرا پسندیدہ ترین دن ہے۔ ہماری شادی کی سالگرہ کا دن اور دوسرے یہ کہ مجھے دعوت نامہ ملا ہے یہ دیکھیں۔ اس نے لفافہ احسن کی طرف بڑھایا۔
''یہ کیا ہے؟'' احسن نے پوچھا۔
''دس تاریخ کو اسلام آباد میں انٹرنیشنل طبی کانفرنس ہو رہی ہے۔ میں مندوب کی حیثیت سے اس میں شرکت کر رہی ہوں۔ نوجوان ڈاکٹرز کی نمائندگی کرتے ہوئے میں وہاں تقریر بھی کروں گی۔''
''بہت خوب مبارکباد'' احسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر ذرا توقف سے بولا ''دونوں اہم خوشیاں ہیں لیکن ان میں سے بڑی خوشی کون سی ہے۔''
''یہ'' اس نے چنچل انداز میں احسن کا گال چوما اور شرما کر بھاگ گئی۔
کیک کٹنے کے لیے تیار تھا۔ یہ بالکل نجی تقریب تھی۔ عنبرین نے صرف دو قریبی سہیلیوں کو مدعو کیا تھا۔ اس کے علاوہ بس دونوں گھرانوں کے افراد تھے' اچانک احسن کے بڑے بھائی اندر داخل ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ پروفیسر عادل صاحب آئے ہیں۔
احسن اور عنبرین ٹھٹک گئے۔ انکل قیوم خوشدلی سے بولے ''تو سوچ کیا رہے ہو بھئی! اگر وہ آگئے ہیں تو انہیں یہیں بلالو وہ کوئی غیر تھوڑا ہیں۔''
کچھ دیر بعد پروفیسر عادل صاحب اس شان سے اندر داخل ہو رہے تھے کہ ان کے ہاتھ میں ایک موٹی فائل تھی اور ان کی دو ضخیم کتابیں ملازم نے اٹھا رکھی تھیں۔ یہ سامان انکل قیوم نے فوراً ایک طرف رکھوایا۔ پروفیسر عادل بولے ''عنبرین! یہ کیا چکر ہے بھئی تم نے مجھے بتادیا ہوتا کہ مصروفیت ہے ہم کل کا پروگرام بنالیتے۔''
عنبرین مسکرائی اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر چپ ہوگئی۔
''کیا بات ہے تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔'' پروفیسر عادل نے فوراً نوٹ کیا۔
قیوم صاحب آگے بڑھتے ہوئے بولے ''میں آپ کو بتاتا ہوں میرا خیال ہے کہ آپ دونوں نے چھ تاریخ کا پروگرام بنایا تھا جبکہ آج پانچ ہے۔''
''اوہ گاڈ! آج پانچ ہے؟'' پروفیسر عادل نے فوراً گھڑی دیکھی پھر ان کے ہونٹ سکڑ گئے۔'' اوہو...... ویری سوری...... ویری سوری بھئی۔ میں تو چھ تاریخ سمجھ رہا تھا میں نے تو آپ سب کو بہت ڈسٹرب کیا۔ مم...... میرا خیال ہے کہ مجھے واپس جانا چاہیے۔''
''یہ کیسے ہوسکتا ہے ڈاکٹر عادل۔'' قیوم صاحب نے جلدی سے کہا' اب آپ آئے ہیں تو تقریب میں بھی شریک ہوں گے۔''
''نہیں قیوم صاحب! یہ اچھا نہیں لگتا۔''
''نہیں جناب اب ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے۔'' قیوم صاحب بولے' پھر وہ عنبرین سے مخاطب ہوکر کہنے لگے۔'' بیٹا عنبرین! روکو نا اپنے عادل صاحب کو۔''
عنبرین آگے بڑھی اور اس نے باقاعدہ ڈاکٹر عادل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا ''پلیز سر! آپ رک جائیں نا۔''
احسن کا دل خون ہو رہا تھا اسے یہ شخص ویسے ہی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کی آمد عین سالگرہ کے موقع پر ہوئی تھی۔ وہ باپ بیٹی کو پروفیسر پر صدقے واری جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سالگرہ کے کیک کو ٹھوکر مار کر ہوا میں اڑا دے اور پاؤں پٹختا ہوا یہاں سے نکل جائے۔ اس نے خود پر بڑی مشکل سے ضبط کیے رکھا۔ اخلاقی طور پر اس کا بھی فرض تھا کہ وہ آگے بڑھ کر پروفیسر کو رکنے کو کہا۔ چارونا چار اس نے یہ فرض پورا کیا...... پروفیسر رک گئے۔ انہوں نے نہ صرف تقریب میں شرکت کی بلکہ تحفہ کے طور پر اپنی ہونہار شاگرد کو ایک لفافہ بھی دیا۔
جیسے تیسے تقریب ختم ہوگئی' پروفیسر عادل وہیں رکے ہوئے تھے۔ عنبرین نے احسن کو بتایا کہ تین روز بعد اسے اسلام آباد کانفرنس میں جو مقالہ پڑھنا ہے سر عادل اسی کی تیاری کے سلسلے میں آئے ہیں۔
''اب میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟'' احسن نے اپنا لہجہ نارمل رکھتے ہوئے کہا۔
وہ بولی ''پلیز! بس ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بات ہے...... آنے کو تو سر کل بھی آجائیں گے لیکن اگر کل انہیں کوئی کام پڑ گیا تو پھر بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔ اگر آپ اجازت دیں تو......''
اس سے پہلے کہ احسن جواب میں کچھ کہتا انکل قیوم بھی وہاں آگئے۔ قریب آکر سرگوشی کے انداز میں بولے ''احسن! اسے سمجھاؤ' پروفیسر عادل سے وقت لینا معمولی بات نہیں' کل کیا پتا وہ آسکیں یا نہیں۔ ان سے جو کچھ پوچھنا ہے آج ہی پوچھ لو۔''
عنبرین نے سوالیہ نظروں سے احسن کو دیکھا۔ انکل قیوم نے احسن کی خاموشی کو نیم رضامندی سمجھا اور اپنی بات پر زور دیا۔ عنبرین نے احسن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''چلی

جاؤں؟"

"چلی جاؤ۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

انکل قیوم بہت جلدی میں دکھائی دیتے تھے۔ عنبرین کو تقریباً کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے۔

عنبرین نے ایک ڈیڑھ گھنٹے کا کہا تھا لیکن جب وہ ایک بار پروفیسر عادل کے ساتھ اسٹڈی میں گھسی تو پھر اس نے نکلنے کا نام نہیں لیا۔ انکل قیوم گاہے بگاہے اسٹڈی کا چکر لگاتے رہے۔ ملازم کافی کے برتن لے کر اندر جاتا رہا اور آتا رہا۔ اسی طرح رات کا ایک بج گیا۔ احسن اپنے بیڈ روم میں بستر پر خاموش پڑا رہا۔ پتا نہیں کس وقت اسے اونگھ آگئی آنکھ کھلی تو تھکی تھکی سی عنبرین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے نیند آرہی ہے؟" وہ تازہ دم نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

احسن نے رخ موڑ کر دیکھا۔ وال کلاک رات تین بجے کا وقت بتا رہا تھا۔ احسن نے زہریلے لہجے میں کہا "چلے گئے تمہارے سر؟ اور...... تمہارے پاپا؟"

"کیا بات ہے احسن؟ آپ پاپا کا نام اتنے غصے سے کیوں لیتے ہیں؟"

"ہاں...... مجھے اچھے طریقے سے نام لینے کی تمیز نہیں رہی۔ میں بدتمیز ہو گیا ہوں یہی کہنا چاہتی ہو نا تم؟"

"احسن! آپ...... آپ ذرا سی بات کو مسئلہ بنا لیتے ہیں۔"

"تمہارے نزدیک...... یہ ذرا ذرا سی باتیں ہوں گی میرے نزدیک نہیں ہیں...... نہیں ہیں میرے نزدیک۔" وہ پھنکارا

"احسن۔" اس نے احسن کے کندھے پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی احسن نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹکا اور بھڑک کر بولا۔ "جاؤ اپنا کام کرو...... مجھے سونے دو...... جاؤ۔"

"کہاں جاؤں۔"

"اسٹڈی میں جاؤ۔ اور کہاں جانا ہے تم نے...... بلکہ اسٹڈی میں بھی تمہیں مکمل سکون نہیں ملتا ہے۔ بہتر ہے کہ پاپا جانی کے گھر ہی چلی جاؤ۔ وہاں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا تمہیں اور تمہارے پاپا جانی کے جوتے بھی گھسنے سے بچ جائیں گے۔"

"احسن...... احسن...... آج یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ مجھے گھر سے نکلنے کا کہہ رہے ہیں۔ آپ ہوش میں تو ہیں؟"

"ہوش میں کہاں ہوتا ہوں...... ہوش میں ہوتا تو شادی سے پہلے ہی سمجھ جاتا کہ تمہاری شادی تو تمہارے پاپا کی خواہش کے ساتھ ہو چکی ہے اور تمہارے پروفیشن کے ساتھ ہو چکی ہے۔ میں تو بس دنیا کو دکھانے کے لیے شوہر کے طور پر تمہارے ساتھ کھڑا کیا گیا ہوں۔ کیا خوب خانہ پری کی ہے تمہارے زمانہ ساز پاپا جانی نے۔"

عنبرین سرخ ہو کر بولی "احسن! آپ جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہیں، پاپا کو بیچ میں مت لائیں۔ ان کا کیا قصور ہے۔"

"قصور ہے...... قصور ہے۔" وہ چیخ کر بولا "میں چیخ چیخ کر کہوں گا کہ اس شخص کا قصور ہے۔ اس شخص نے کبھی تمہیں اپنی زندگی جینے نہیں دیا اور نہ آئندہ جینے دے گا۔ وہ شخص ہمارے دکھوں کا ذمے دار ہے۔"

"احسن" عنبرین چیخ کر بولی "میں پاپا کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی اگر آپ ایسا کریں گے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

"تم مجھے دھمکا رہی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتا۔ ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے اگر تم جانا ہی چاہتی ہو تو جاؤ...... بلکہ ابھی جاؤ اسی وقت دفع ہو جاؤ میری نظروں سے سامنے سے، نکلو یہاں سے...... میں کہتا ہوں نکلو یہاں سے...... اور لے جاؤ اپنی یہ منحوس لائبریری بھی اپنے ساتھ۔" احسن نے اسے بازو سے پکڑا اور دھکیلتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔

دروازے سے باہر بھابی اور بھائی جان موجود تھے۔ غالباً وہ شور سن کر اس طرف آئے تھے۔ انہوں نے احسن کو عنبرین کے ساتھ کھینچا تانی کرتے دیکھا تو اسے چھڑانے کی کوشش کی۔ احسن نے ان کی ایک نہیں سنی اور عنبرین کو صحن میں لے آیا۔ پھر اس نے اسے زور سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی ایک گملے سے ٹکرائی اور پودوں پر گر گئی موتیے کے بہت سے پھول جھڑ کر سبز گھاس پر بکھر گئے۔ یہ وہی پودا تھا جس کے پھول عنبرین سرِشام گجرے کی صورت کلائیوں میں سجائے تھے۔

احسن کی امی چیختی ہوئی ایک کمرے سے نکلیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی احسن پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے میں واپس جا چکا تھا۔ اس نے دروازہ دھماکے سے بند کیا اور اندر سے کنڈی چڑھا دی۔ بستر پر گر کر اس نے اپنا سر تکیے کے نیچے دے دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ باہر کا شور اس کے کانوں تک پہنچے۔

☆☆☆

عنبرین اگلے روز صبح سویرے ہی گھر سے چلی گئی تھی۔ اہلِ خانہ نے اسے روکنے کی بہت کوششیں کی تھی لیکن وہ غم سے یوں لبریز ہو رہی تھی کہ چھلکنے کا ڈر تھا۔ اس نے یہی بہتر سمجھا تھا کہ وہ دو چار دن کے لیے منظر سے ہٹ جائے۔ عین ممکن تھا کہ اس کے یوں چلے آنے سے احسن کو بھی ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ملتا۔

طیش کے عالم میں جب احسن نے اسے دھکیلا تھا تو وہ گملے سے ٹکرا کر پودوں پر گری تھی۔ اس کی کنپٹی پر چوٹ آئی تھی

اور آنکھ بھی سوج گئی تھی۔ وہ سارا دن گھر پر ہی رہی اور کمرے میں بند ہو کر سسکتی رہی۔ بہرحال پاپا اور ممی کو اس نے واقعے کی اصل شدت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ چوٹ کے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ وہ پودوں کو پانی لگاتے ہوئے پھسل گئی ہے اور گملے سے ٹکرائی ہے بہرحال جاننے والے جان گئے تھے کہ اصل بات یہ نہیں ہے۔

تنہائی میں ممی اسے دیر تک سمجھاتی رہی تھیں اور ازدواجی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتی رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جب تک عورت ماں نہیں بنتی۔ شوہر کے گھر میں اس کی پوزیشن بہت کمزور ہوتی ہے ماں بننے تک عورت کو بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتے ہیں...... اگر وہ ناراض ہو کر آئی ہے تو ٹھیک ہے، دو چار دن یہاں رہ لے لیکن اس دوری کو طویل ہرگز نہیں ہونا چاہیے ورنہ بگاڑ پیدا کرنے والے مزید بگاڑ پیدا کر سکتے ہیں۔ ممی کا اشارہ احسن کے بھائی اور بھابی کی طرف تھا۔ دراصل ان دونوں سے عنبرین کی ایک دن بھی نہیں بنی تھی۔ کوئی لڑائی جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔ بس ایک سرد جنگ سی تھی۔ وہ دونوں عنبرین کو نیچا دکھانے کی کوشش میں رہتے تھے۔ بہرحال یہ سب کچھ بڑے رکھ رکھاؤ اور دھیمے پن کے ساتھ ہوتا تھا۔

قیوم صاحب کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اصل صورت حال کیا ہے۔ وہ بہت غصے میں تھے لیکن بیٹی کا معاملہ تھا کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ عنبرین کو پھسلنے کی وجہ سے چوٹیں نہیں آئیں بلکہ احسن نے اس کے ساتھ سختی کی ہے۔ وہ دیر تک عنبرین کی پیشانی چومتے رہے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "جب تک وہ یہاں آکر تم سے معذرت نہیں کرے گا میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔"

"نہیں پاپا! ایسی کوئی بات نہیں، نہ تو کوئی ایسا لڑائی جھگڑا ہے جو تھوڑی سی بات تھی وہ وہیں ختم ہو گئی تھی۔ میں ان کی رضامندی سے آئی ہوں۔"

"لیکن اس نے......"

"پلیز پاپا۔" اس نے قیوم صاحب کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔ اگر آپ اپنے دل پہ بوجھ لیں گے تو میں ابھی یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

قیوم صاحب خاموش ہو گئے تھے لیکن ان کے چہرے سے عیاں تھا کہ اپنی لاڈلی کے جسم پر لگنے والی چوٹوں کا درد انہوں نے ہزار گنا اضافے سے اپنے دل پر محسوس کیا ہے۔ اندر سے عنبرین بھی دکھی تھی...... اصل زخم تو اندرونی ہی تھے۔ رہ رہ کر اس کی آنکھوں میں گرم آنسوؤں کا سیلاب آتا تھا اور اسے دور تک بھگو جاتا تھا۔ ایک سال کی ازدواجی زندگی میں اس نے اپنی بے پناہ مصروفیت کے ہوتے ہوئے بھی احسن کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ وہ جیسے ہر وقت ایک تنے ہوئے رسے کی چلتی رہی تھی وہ جانتی تھی کہ اس کا ایک غلط قدم بھی اسے تحت الثریٰ میں پہنچا سکتا ہے۔ اس کے دل میں گرنے کا خوف تھا۔ اور یہ خوف شادی سے پہلے بھی تھا۔ اس نے سن اور پڑھ رکھا تھا کہ "پروفیشن" رکھنے والی بیویوں کے مسائل گوناں گوں ہوتے ہیں۔ اس نے ان تمام معاملات پر اچھی طرح غور کیا تھا اور شادی سے پہلے احسن سے اس سلسلے میں کئی بار طویل گفتگو کی تھی لیکن تھیوری اور پریکٹیکل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ پریکٹیکل شروع ہوئے تھے تو ایک سال میں ہی سب کچھ چوپٹ ہوتا نظر آرہا تھا۔ وہ جس اسٹیج پر تھی وہاں اس پر بے پناہ دباؤ تھا اور یہ دہرا دباؤ تھا۔ وہ اپنی اسٹڈی سے ایک لمحے کے غفلت نہیں کر سکتی تھی...... دوسری طرف اپنی ازدواجی زندگی کو بھی نظر انداز کرنا قطعی ممکن نہیں تھا۔

عنبرین کا خیال تھا کہ وہ چار پانچ دن تک واپس چلی جائے گی لیکن ایسا ہوا نہیں...... دوسری طرف سے بھی کوئی امید افزا اشارہ دکھائی نہیں دیا۔ احسن خود آیا نہ اس نے کوئی فون کیا، نہ دیگر اہلِ خانہ کی طرف سے کوئی رابطہ ہوا۔ انکل شفقت (عنبرین کے سسر) تو خیر پاکستان میں تھے ہی نہیں لیکن باقی افراد میں سے تو کوئی اس کی مزاج پرسی کر سکتا تھا۔ ہمدردی کے دو بول بول سکتا تھا۔ عنبرین اسپتال سے آتے ہی ممی سے پوچھتی "کوئی فون تو نہیں آیا؟"

ممی کے جواب دینے سے پہلے ہی ان کے تاثرات سے وہ جان جاتی کہ کوئی فون نہیں آیا...... اور نہ کوئی خود آیا ہے۔

اس بے رحم خاموشی نے عنبرین کے اندر ایک درد بھری مایوسی اتارنا شروع کر دی تھی۔ وہ واپس جانے کے لیے آمادہ تھی لیکن اب اس کی آمادگی میں فرق آتا جا رہا تھا۔ یہ سوچ کر اس کا دل غم سے بھر جاتا تھا کہ زیادتی احسن کی طرف سے ہوئی ہے اور اب روٹھا بھی وہی ہوا ہے۔ وہ اب تک اسے منانی رہی ہے کیا وہ ایک بار بھی اسے منا نہیں سکتا۔ ایک بار بھی مسکرا کر اسے مسکرانے کے لیے نہیں کہہ سکتا؟ ایک بار بھی؟

پھر وہ طبی کانفرنس میں شرکت کے لیے اسلام آباد چلی گئی۔ اس کی کنپٹی پر ابھی تک ٹیپ چپکی ہوئی تھی۔ یہ ٹیپ اس نے بالوں میں چھپالی تھی۔ دو تین دن تک وہ کانفرنس کی گہما گہمی میں رہی لیکن اس گہما گہمی میں بھی دل ہر وقت احسن میں اٹکا رہتا تھا۔ مری روڈ سے گزرتے ہوئے اس نے مری کے خوبصورت پہاڑوں کی طرف دیکھا اور دل سے آہ نکل گئی۔ ان دونوں کو اسی سڑک پر سفر کرتے ہوئے مری جانا تھا...... چند روز ایک دوسرے کی بانہوں میں گم ہو کر گزارنا تھے۔ خوبصورت

یادیں، یادگار تصویروں کی شکل میں جمع کرنا تھیں...... لیکن وہ سب کچھ تیز رفتار وقت کی دھند میں دھندلا گیا تھا۔ کسی وقت عنبرین غور کرتی تو اسے محسوس ہوتا کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بج رہی۔ کئی معاملات میں قصور خود اس کا اپنا بھی ہے...... تو کیا وہ احسن کا انتظار کیے بغیر خود ہی اپنے گھر واپس چلی جائے؟ وہ کانفرنس کے ہنگامے میں بھی بار بار اسی سوال پر غور کرتی رہی۔ اسلام آباد میں قیام کے دوران میں اس نے کئی بار گھر میں فون بھی کیا اور ممی سے حال احوال پوچھا۔ مقصد یہی تھا کہ اسے برف پگھلنے کے حوالے سے کسی بات کا پتا چلے۔ کوئی چھوٹا سا بہانہ، کوئی معمولی سا آسرا...... کوئی کچا دھاگا جس میں بندھ کر وہ واپس اس کے پاس چلی جائے۔ وہ اس کے بغیر نہیں جی سکتی تھی۔ اس سے دور ہو کر دنیا ایک ویرانہ محسوس ہونے لگی تھی...... ایسا ویرانہ جس میں دم گھٹنے لگتا ہے اور اپنا آپ بے معنی لگنے لگتا ہے۔

کانفرنس کے بعد اسے ایک دن مزید اسلام آباد ٹھہرنا تھا، لیکن وہ اپنا پروگرام مختصر کر کے واپس لاہور چلی آئی...... جوں جوں وہ لاہور کے قریب آ رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ امید کی ایک کرن اس کے سینے میں پھوٹتی تھی اور رگ و پے میں سنسناہٹ دوڑ جاتی تھی۔ نجانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ جب وہ گھر پہنچے گی تو کوئی اچھی خبر اس کی منتظر ہوگی۔ وہ کل شام کے بعد گھر فون نہیں کر سکتی تھی۔ چوبیس گھنٹے کا وقت کافی ہوتا ہے کسی اچھی خبر کے وجود پانے کے لیے یہ ایک طویل وقفہ تھا۔

اس کی فلائٹ آٹھ بجے شام ائر پورٹ پہنچی۔ یہاں سرکاری گاڑی اسے گھر پر ڈراپ کرنے کے لیے موجود تھی۔ اپنی تیز دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی وہ گھر میں داخل ہوئی۔ سب سے پہلے اس کی نگاہ ممی کے چہرے پر پڑی۔ وہاں بدستور اداسی بال کھولے سو رہی تھی...... ایک لمحے میں وہ جان گئی کہ ممی کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں...... یہاں کوئی نہیں آیا تھا اور شاید کوئی نہیں آئے گا۔

☆☆☆

عنبرین کے گھر چھوڑنے کے بعد احسن کئی دن تک سخت اپ سیٹ رہا تھا۔ ابا جان تو گھر میں تھے نہیں۔ باقی اہل خانہ میں سے کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سب کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ عنبرین کو منانے کے لیے کوئی انکل قیوم کے گھر نہیں جائے گا۔ اسے زیادہ اندیشہ امی کی طرف سے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ مسلسل تڑپ رہی ہیں۔ جونہی موقع ملے گا وہ بہو کی منتیں کرنے کے لیے انکل قیوم کے گھر پہنچ جائیں گی۔ اس نے انہیں علیحدہ بلا کر خاص طور سے تاکید کی تھی کہ وہ عنبرین سے یا اس کے گھر والوں سے رابطہ نہیں کریں گی انہیں آنا ہوگا تو خود آئیں گے۔

اسے امید تھی کہ دو تین دن میں عنبرین کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور اس کا رویہ بدل جائے گا۔ اس نے جس تند و تیز لہجے میں احسن سے بات کی تھی اس کی توقع احسن کو ہرگز نہیں تھی۔ گھر چھوڑنے کی دھمکی نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا اور احسن غصے سے مغلوب ہو گیا تھا جب تین چار روز گزر گئے اور عنبرین یا انکل وغیرہ کی طرف سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تو احسن کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ معاملہ بگڑ گیا ہے۔ شاید غصے میں اس کی طرف سے ایسا کچھ ہو گیا تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

چھٹی کا دن تھا وہ دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کے دل میں آئی کہ انکل قیوم کو فون کرے لیکن پھر ایک دم انا کی دیوار سامنے آ گئی۔ پھر اس کا دھیان امی کی طرف چلا گیا وہ جانتا تھا کہ امی ایک بار عنبرین کی طرف چلی گئیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا مگر امی کو تو وہ سختی سے منع کر چکا تھا۔ تو کیا وہ انہیں جانے کی اجازت دے دے؟ کیا ایسا کرنے سے اس کی توہین کا پہلو تو نہیں نکلتا تھا......؟ وہ دیر تک ایسے سوالوں میں الجھا رہا اور پھر کوئی فیصلہ کیے بغیر سو گیا۔

اگلے روز وقت گزاری کے لیے وہ ورکشاپ چلا گیا۔ وہاں بھی دل نہیں لگا تو سہ پہر چار بجے کے قریب گھر واپس آ گیا۔ غیر متوقع طور پر امی گھر پر نہیں تھی۔ احسن نے بھابی سے پوچھا ”امی کدھر ہیں؟“

”پتا نہیں اپنے کمرے میں سو رہی تھیں، میں اپنے کمرے میں تھی۔“

اس دوران میں بھائی جان اکبر بھی وہاں بھی آ گئے۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

”تمہاری بھابی گول مول بات کر رہی ہے بلکہ اصل بات چھپا رہی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”میرا اندازہ ہے کہ امی عنبرین کو منانے انکل قیوم کی طرف گئی ہیں۔ میں دیکھ رہا تھا ان کی کیفیت وہ چار پانچ روز سے پتا نہیں کیسے صبر کیے ہوئے تھیں۔ آج موقع ملتے ہی نکل گئی ہیں۔“

”میں نے انہیں منع بھی کیا تھا۔“ احسن بولا۔

”بس اپنی مرضی کرتی ہیں۔ امی کی ڈھیل ہے جس کی وجہ سے کام خراب ہو رہا ہے۔ عنبرین سمجھ دار لڑکی ہے اچھا برا سمجھتی ہے لیکن ہے تو ابھی ناتجربہ کار۔ اسے کھلی چھٹی دے جائے گی تو اس سے غلطیاں ہوں گی۔“ انہوں نے ذرا توقف کیا پھر سگریٹ کا کش لے کر بولے ”اب اگر وہ چلی ہی گئی ہے تو اسے ایک دو ہفتے وہاں رہنے دیں ماحول تبدیل ہوگا تو ذرا ٹھنڈے

دماغ سے سوچے گی ممکن ہے کہ اس کی روش بھی بدل جائے، مگر امی سے اپنی ممتا کنٹرول ہو تو سب ہے نا۔“

احسن بظاہر بڑے بھائی کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا لیکن اندر سے اسے قدرے اطمینان بھی ہوا تھا۔ امی کے جانے سے ایک اونچی دیوار اٹھنے سے پہلے ہی گر گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب عنبرین واپس آ جائے گی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اسے فون کرتی کہ وہ اسے آ کر لے جائے...... اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ امی کے ساتھ ہی واپس آ جاتی۔ احسن اپنے کمرے میں چلا گیا اور بے تابی سے نتیجے کا انتظار کرنے لگا۔ امی تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آئیں۔ وہ احسن سے چوری گئی تھیں اب احسن کو گھر میں دیکھ کر ان کا پریشان ہونا لازمی تھا، وہ گھبرائی ہوئی سی نظر آئیں تو احسن خود ہی ان کے پاس چلا گیا۔

”میں جانتا تھا کہ آپ سے نہیں رہا جائے گا...... بہو سے ملاقات ہو گئی آپ کی؟“

امی نے گڑبڑا کر بڑے بیٹے اور بڑی بہو کی طرف دیکھا پھر گہری سانس لے کر بولیں ”احسن بیٹا! سیانے کہتے ہیں کہ لسی اور لڑائی کو جتنا بڑھاؤ اتنا ہی بڑھ جاتی ہے اور تمہاری دادی کہا کرتی تھیں کہ روٹھے کو منایا نہ جائے اور پھٹے کو سیا نہ جائے تو وہ اور بگڑتے ہیں۔“

”کون ملا تھا؟“

”بھائی قیوم تو گھر میں نہیں تھے۔ عنبرین اسلام آباد گئی ہوئی ہے باقی سب بڑی اچھی طرح ملے ہیں۔ بھابی رضوانہ تو عنبرین کی طرف سے معافیاں مانگ رہی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ عنبرین اسلام آباد سے آتے ہیں یہاں فون کرے گی۔ اور وہ نہ کرے گی تو بھابی کریں گی...... ان کا فون آئے تو تم عنبرین کو لینے خود چلے جانا۔ بیٹی والوں کو زیادہ دبانا نہیں چاہیے۔ جس نے بیٹی دے دی اس نے پیچھے کیا رکھا۔“

اگلے چار پانچ دن تک احسن شدت سے انتظار کرتا رہا لیکن عنبرین آئی نہ اس کا فون آیا۔ نہ اس کے گھر والوں میں سے کسی نے رابطہ کیا۔ عنبرین اسلام آباد سے اسی دن واپس آ گئی تھی جس دن احسن کی امی اس سے ملنے گئی تھیں۔ اس واقعے کو اب پانچ روز گزر چکے تھے...... احسن کے رگ و پے میں ایک ایسی تلخی اترتی جا رہی تھی جس نے اس کی ہر سانس میں زہریلا دھواں بھر دیا تھا۔ توہین اور دکھ کے احساس سے اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ ایسی کون سی بھیانک غلطی کر دی تھی اس نے جس کی وجہ سے عنبرین یوں بپھر گئی تھی۔ پچھلے ایک برس میں اس نے کیا کچھ نہیں جھیلا تھا اپنے اوپر کیا وہ اس کا تھوڑا سا غصہ نہیں جھیل سکی تھی۔ اور وہ غصہ بھی بے بنیاد تو نہیں تھا...... کئی ہفتے بعد اپنی شادی کی سالگرہ کے دن عنبرین نے اپنے ”گھر“ کے لیے تھوڑی سی فرصت نکالی تھی اور اس فرصت میں بھی پروفیسر عادل آدھمکا تھا کوئی اور ہوتا تو شاید احسن کسی طور پر برداشت بھی کر لیتا لیکن پروفیسر عادل کا تو نام سن کر اس کا ”بی پی“ ہائی ہونے لگتا تھا۔ پھر بات صرف سالگرہ کی تقریب تک ہی محدود نہیں رہی تھی۔ تقریب کے فوراً بعد عنبرین اور پروفیسر اسٹڈی میں گھس گئے تھے اور کتابوں میں غرق ہو گئے تھے۔

احسن یہ سب کچھ سوچتا تھا اور اس کے اندر بھرا ہوا زہریلا دھواں کچھ اور بھی گہرا ہو جاتا تھا اس کا دم کچھ اور بھی گھٹنے لگتا تھا۔

دوسری طرف عنبرین بھی بے حد دل گرفتہ تھی۔ وہ اسلام آباد سے لاہور آئی تھی تو اس کے سینے میں امید کی ایک روشن کرن موجود تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی مثبت تبدیلی رونما ہو چکی ہوگی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ ممی کی شکل دیکھتے ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ وہاں کوئی نہیں آیا۔ بعد میں اس نے کرید کرید کر ممی سے پوچھا بھی تھا وہ کوئی چھوٹا سا بہانہ چاہتی تھی واپس جانے کے لیے لیکن کوئی بہانہ نہیں تھا (کم از کم عنبرین کے علم میں نہیں آیا تھا)

عنبرین کا خیال تھا کہ احسن نے غصے کی کیفیت میں اہل خانہ کو منع کر دیا ہوگا کہ وہ اس کے سسرال سے کوئی رابطہ نہ کریں لیکن خالہ جان (احسن کی امی) پر تو یہ حکم لاگو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ چاہتی تو عنبرین سے فون پر یا گھر آ کر بات کر سکتی تھی لیکن وہ بھی نہیں آئی تھیں۔ ان کے نہ آنے کا سوچ کر عنبرین کا دل درد سے بھر جاتا تھا اور آنکھوں میں آنسو امڈ آتے تھے۔ اب اس کی رہی سہی امید خالو جان سے وابستہ تھی۔ وہ اپنے کام کے سلسلے میں پاکستان سے باہر تھے، عین ممکن تھا کہ وہ آ کر معاملے کو سنبھال لیتے۔

عنبرین کو معلوم نہیں تھا کہ جس دن وہ اسلام آباد سے واپس آئی اسی دن احسن کی امی خود چل کر یہاں آئی تھیں اور دو گھنٹے اس کی ممی کے پاس بیٹھی رہی تھیں۔ اسے معلوم ہو بھی کیسے ہو سکتا تھا؟ اس کی ممی نے اسے خالہ کی آمد کے بارے میں بتایا ہی نہیں تھا۔ وہ کیسے بتاتیں؟ عنبرین کے پاپا ایسے معاملوں میں بڑے سخت تھے اور انہوں نے عنبرین کی امی کو بڑی سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ عنبرین کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی — اس دن وہ چیختے ہوئے بولے تھے ”خبردار رضوانہ جو تم نے عنبرین کو عائشہ کے آنے کے بارے میں بتایا۔ وہ ایک دم اٹھ کر بھاگ جائے گی ان لوگوں کے پاس اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا۔ ان لوگوں کو تھوڑا سا سبق ملنا چاہیے۔ خاص طور سے احسن کو۔ اس نے عنبرین کو مار کر گھر سے نکالا ہے کیا وہ خود چل کر اسے لینے بھی نہیں آ سکتا؟“

ڈاکٹر قیوم کا خیال تھا کہ برف پگھل گئی ہے۔ ماں آئی ہے

اس کے بعد بیٹا آئے گا" انہیں معلوم نہیں تھا کہ برف پہلے سے بھی سخت ہوگئی ہے۔ عائشہ بیگم کے ناکام واپس جانے سے احسن ایک نہایت کڑوے زہریلے دھوئیں میں گھر گیا تھا ...... اندازے کی ایسی غلطیاں زندگیوں کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔

چار پانچ روز بعد عنبرین کو پتا چلا کہ خالو جو انگلینڈ میں ہیں چند روز مزید وہاں رکیں گے۔ وہ فون کر سکتے تھے لیکن ان کا کوئی فون بھی نہیں آیا تھا۔ یہاں عنبرین سے ایک ایک پل مشکل سے کٹ رہا تھا ...... وہ جب تک مصروف رہتی تھی دل کچھ بہلا رہتا تھا لیکن فرصت ملتے ہی غم کا ... عفریت دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ لیتا تھا۔ اسے لگتا کہ گزرنے والی ہر گھڑی کے ساتھ وہ احسن سے دور جا رہی ہے اتوار کے روز اس سے رہا نہیں گیا۔ وہ کمرا بند کر کے فون کے سامنے آن بیٹھی۔ کتنی ہی دیر شدید کشمکش میں رہی پھر اس کے ہاتھ آپوں آپ نمبر ڈائل کرنے لگے وہ احسن کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ آخری نمبر ڈائل کرنے سے پہلے اس کا حوصلہ پھر جواب دے گیا۔ اس کی خوبصورت پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد پھر جھٹکے سے فون کے سامنے بیٹھ گئی اور پورے نمبر ڈائل کر دیے۔ دوسری طرف تھوڑی دیر گھنٹی بجتی رہی۔ پھر احسن کی بھابی کی آواز سنائی دی "ہیلو کون؟"

وہ چند سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد بولی "میں عنبرین ہوں بھابی۔"

"اوہ عنبرین تم؟" بھابی کی محبت بھری چہکار ابھری "اوہ سویٹی کہاں گم ہوگئی ہو تم تمہیں کیا پتا یہاں تمہارے بغیر کیا بیت رہی ہے ہم پر کھانا پینا بھولا ہوا ہے۔"

"لیکن آپ تو ایک فون بھی نہیں کر سکیں۔" عنبرین نے شکوہ کیا۔

"تم آؤ گی تو سب کچھ بتاؤں گی ...... کہ کیا کیا چکر چلتا رہا ہے یہاں۔"

"کیا ...... اب بھی کوئی چکر چل رہا ہے؟"

"نن ...... نہیں اب تو سب ٹھیک ہے۔"

"احسن کہاں ہیں؟"

"وہ اپنے کمرے میں ہے ٹھہرو میں بلاتی ہوں اسے تم ہولڈ کرو ...... ہولڈ کرتی ہو نا؟"

عنبرین نیم رضامندی کے انداز میں خاموش رہی۔

اچانک سلسلہ منقطع ہوگیا۔ عنبرین نے کئی بار ہیلو ہیلو کیا پھر دوبارہ سے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس مرتبہ انگیج کی ٹون سنائی دی۔ دو تین منٹ بعد اس نے پھر کوشش کی اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا ...... فون انگیج مل رہا تھا اس نے مایوسی کے عالم میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا

یہ اندازہ لگانا اس کے لیے ہرگز مشکل نہیں تھا کہ فون جان بوجھ کر بند کیا گیا ہے۔ وہ آنسوؤں کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ فون احسن نے بند کرایا ہوگا۔

اگلے روز صبح تک وہ بالکل گم صم رہی یوں لگتا تھا کہ ہر چیز سے اس کا دل اچاٹ ہوگیا ہے۔ اگلے روز اسے ہفتہ وار پروگرام کی ریکارڈنگ کے لیے ٹی وی اسٹیشن جانا تھا۔ یہ کام بھی اب اسے ایک بڑے بوجھ کی طرح محسوس ہوتا تھا ...... اسپتال میں ایک اہم آپریشن بھی تھا اس کے علاوہ آج سہ پہر کے وقت اسے اسپتال کی لائبریری میں پروفیسر عادل سے بھی ملنا تھا۔ کل انہوں نے کہا تھا کہ اس کے لیے ایک زبردست سرپرائز تیار ہو رہا ہے۔

"کیسا سرپرائز سر؟" عنبرین نے پوچھا۔

"آج نہیں پرسوں بتاؤں گا۔"

وہ کل سے کئی مرتبہ سوچ چکی تھی کہ سر عادل پتا نہیں کیا بتانے جا رہے ہیں اگلے روز آپریشن سے فارغ ہو کر اسپتال کی لائبریری جانے کا سوچ رہی تھی کہ اس کے پاپا کا فون آگیا۔

"میرا بیٹا سرجری سے فارغ ہوگیا؟" پاپا نے اپنے مخصوص پرجوش لہجے میں پوچھا۔

"جی پاپا۔ اب سر عادل کی طرف جا رہی تھی ...... لائبریری میں۔"

"جانے کی ضرورت نہیں بیٹا! تم سیدھا گھر چلو، ہم دونوں وہیں پر آ رہے ہیں۔" پاپا کے لہجے میں کسی سرپرائز کی گونج تھی۔

وہ تھکے تھکے قدموں کے ساتھ پارکنگ لاٹ میں آئی اور اپنی نئی ٹویوٹا کار میں گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ راستے میں وہ سوچتی رہی اس کے لیے سب سے اچھا سرپرائز کیا ہو سکتا ہے؟ سب سے اچھا سرپرائز یہ ہو سکتا ہے کہ احسن، پاپا اور سر عادل کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا ہو اور اس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ ہو اور اس کے بالوں کی ایک لٹ اس کی فراخ پیشانی پر جھول رہی ہو۔

ایک ٹیس سی اس کی دل میں اٹھی اور آنکھیں دھندلا گئیں۔

وہ گھر پہنچی سر عادل اور پاپا اس سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ ان کے ہاتھ میں عنبرین کا پاسپورٹ تھا اور ایک خوبصورت سا فارم تھا۔

"یہ کیا ہے پاپا جانی؟" وہ حیرت سے بولی۔

"یہ تمہارا پاسپورٹ ہے یہ جہاز کا ٹکٹ ہے۔ یہ ٹریولرز چیک ہیں۔ یہ ساری چیزیں آج اسلام آباد جائیں گی اور کل واپس آجائیں گی بدھ کے دن تم استنبول فلائی کر جاؤ گی پورے دس روز کے لیے۔"

"اس ...... تب ...... بول۔" وہ اٹک کر بولی "لیکن کیوں؟"

"وہاں تمہیں بطور سزا بھیجا جا رہا ہے۔ دراصل اسلام آباد کی کانفرنس میں تمہاری کارکردگی اتنی ناقص تھی کہ متعلقہ لوگ آگ بگولا ہوگئے ہیں وہ تمہیں دس روز کے لیے ملک بدر کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ ان کی حماقت ہے اس ملک بدری کے لیے انہوں نے استنبول جیسا خوبصورت شہر منتخب کیا ہے اور مزید حماقت کے طور پر تمہارا قیام و طعام بھی ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں رکھ دیا ہے۔"

مزید استفسار پر عنبرین کو معلوم ہوا کہ وہاں بھی ایک بین الاقوامی طبی کانفرنس ہے۔ جنوبی اور جنوب ایشیا کے معروف گائناکولوجسٹ وہاں جمع ہو رہے ہیں ...... اور اہم امور پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔ پاکستان سے تین فی میل ڈاکٹرز کی ایک ٹیم سر عادل کی سرکردگی میں استنبول جا رہی تھی اور عنبرین اس ٹیم میں شامل تھی۔

عنبرین کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا لیکن پاپا اور سر عادل کا جوش و اصرار دیکھتے ہوئے وہ سمجھ گئی کہ یہ معاملہ آسانی سے ٹلنے والا نہیں۔

پتا نہیں کیوں اسے سر عادل کے ساتھ جاتے ہوئے بھی کچھ جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی اسے یوں لگتا تھا کہ سر عادل کے ساتھ اس کا زیادہ ملنا جلنا بھی احسن کو پسند نہیں۔ احسن نے اپنی زبان سے کبھی ایسی بات نہیں کہی تھی مگر کچھ شواہد گواہی دیتے تھے کہ ایسا ہے۔ جب کبھی بھی سر عادل کا نام عنبرین کی زبان پر آتا تھا، احسن کچھ چونک سا جاتا تھا۔ عنبرین جانتی تھی کہ سر عادل صرف اور صرف محترم استاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور غالب امکان یہی تھا کہ سر عادل بھی اسے صرف اور صرف استاد کی نظر سے دیکھتے ہیں پھر خبر نہیں کیوں احسن ان کے ذکر سے چڑ جاتا تھا۔

بہرحال رات تک عنبرین کے جانے کا پروگرام فائنل ہو چکا تھا۔ جانے سے پہلے وہ ایک بار احسن سے ضرور ملنا چاہتی تھی یا کم از کم فون پر ہی اس کی بات ہو جاتی۔ اس نے پچھلی کوشش کے نتیجے کو فراموش کر دیا اور اگلے روز وقفے وقفے سے تین بار احسن کے گھر فون کرنے کی کوشش کی۔ فون یا تو خراب تھا یا پھر ریسیور کریڈل سے اتار دیا گیا تھا۔ عنبرین کے اندر اتری ہوئی گہری مایوسی کچھ اور گہری ہوگئی۔ احسن اور اس کے گھر والے ایک ناکردہ غلطی کے لیے اسے کتنی بڑی سزا دے رہے تھے۔ رہ رہ کر اسے خالو جان کا خیال بھی آتا تھا۔ وہ لندن میں تھے اس سے ہزاروں میل دور اور پتا نہیں کہ انہیں یہاں کے حالات کی خبر تھی بھی یا نہیں۔

وہ پاپا سے احسن کا ذکر کرنا چاہتی تھی اور ان سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ اپنے جانے کے بارے میں احسن کو مطلع کر دے لیکن یہ بات کہنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ تیسرے دن وہ بڑے بوجھل دل کے ساتھ لاہور سے استنبول کے لیے روانہ ہوگئی۔

☆☆☆

جس دن عنبرین کا فون احسن کے لیے آیا تھا۔ احسن گھر میں ہی موجود تھا۔ وہ اپنے دو بے تکلف دوستوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوستوں کے جانے کے بعد وہ گھر کے اندر آیا تو بھابی نے اسے بتایا کہ کچھ دیر پہلے عنبرین کا فون آیا تھا۔ احسن کے سینے میں جیسے ایک دم شادیانہ بج اٹھا۔ لیکن اس کے بعد بھابی نے جو کچھ بتایا اسے سن کر وہ ایک بار پھر اتھاہ مایوسی میں ڈوب گیا۔ بھابی نے بتایا کہ عنبرین نے بس ایک دو شکوے کیے جب انہوں نے کہا کہ وہ احسن کو بلاتی ہیں تو اس نے فون بند کر دیا۔

غم کی تاریک رات میں خوشی ایک جگنو کی طرح چمک کر پھر اوجھل ہوگئی تھی۔ احسن کے سینے میں بھرتا ہوا دھواں کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔ ایک ضد سی اس کے اندر پروان چڑھ رہی تھی۔ انا کی ایک دیوار تھی جو اینٹ اینٹ بلند ہو رہی تھی۔ وہ پچھلے کئی دن سے یہی سوچ رہا تھا کہ امی چل کر انکل قیوم کے گھر گئی ہیں۔ اس بات کی خبر عنبرین کو ضرور ہوئی ہوگی۔ اس کے باوجود وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بات کو بہت بڑھانا چاہتی ہے۔

دو چار روز بعد احسن کو ایک اور شدید جھٹکا لگا۔ اخبار پڑھتے پڑھتے بھائی جان اکبر بولے "احسن ...... دیکھو بھئی ہماری عنبرین کی تصویر چھپی ہے اور ساتھ ہی خبر بھی ہے۔"

"کیسی خبر؟" احسن اخبار دیکھے بغیر بولا۔

"عنبرین ترکی جا رہی ہے۔ ساتھ میں دو اور ڈاکٹرز ہیں اور پروفیسر عادل بھی ہیں۔"

احسن کے سینے میں شعلہ سا لپک گیا۔ اس نے بھائی جان کے ہاتھ سے اخبار لے کر خبر پڑھی۔ سرخی یوں تھی "معروف گائناکولوجسٹ ڈاکٹر عنبرین ترکی کے دورے پر"

متن میں مکمل تفصیل تھی۔ دیگر دو ڈاکٹرز کے بس نام ہی لکھے تھے، باقی تفصیل عنبرین اور ڈاکٹر عادل کے بارے میں تھی۔

احسن کے جبڑے بھنچ گئے۔ چہرہ اندرونی تپش سے سرخ ہوگیا۔ بھائی جان بولے "انکل کے ساتھ یہ پروفیسر عادل بھی عنبرین کی جان نہیں چھوڑتے ہیں مجھے یقین ہے وہ اسے زبردستی وہاں لے جا رہے ہوں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن عنبرین بھی کوئی چھوٹی سی بچی تو نہیں ہے۔ اسے اپنا برا بھلا معلوم ہونا چاہیے۔" بھابی نے لقمہ دیا۔

''تو کیا کرے وہ؟ باپ سے جھگڑا شروع کر دے!'' بھائی جان بولے۔

احسن خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کا سینہ فرطِ غضب سے پھٹک رہا تھا یہ غیظ و غضب انکل قیوم کے لیے تھا اور پروفیسر عادل کے لیے تھا...... اور عنبرین کے لیے تھا وہ توقع بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ نوبت آجائے گی۔ عنبرین ملک سے باہر جانے کے لیے اس سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں سمجھے گی پھر سر عادل کا سراپا اس کے تصور میں آیا اور اس کے سینے کی آگ کچھ اور بھڑک اٹھی۔ کتنی عمر تھی اس کی اور کیسے اطوار تھے۔ ہاف سلیو شرٹ پہنتا تھا۔ سرخ ٹائی لگاتا تھا اور مہنگے پرفیوم استعمال کرتا تھا۔ احسن کی معلومات کے مطابق اپنی لیکچرار بیوی سے اس کی علیحدگی ہو چکی تھی۔ دو بچے تھے جو انگلینڈ میں پڑھتے تھے۔ وہ عنبرین کو بڑی بے تکلفی سے عنبرین کہہ کر بلاتا تھا اور عنبرین کے پاپا کے ساتھ بڑی ہم آہنگی رکھتا تھا۔ خاص طور سے عنبرین کو مستقبل کی ایک بڑی ڈاکٹر بنانے کے حوالے سے دونوں کے خیالات یکسر ایک جیسے تھے۔

جس روز بھائی اکبر نے احسن کو اخبار سے عنبرین والی خبر سنائی اسی روز رات کو لندن سے والد صاحب کا فون بھی آیا۔ وہاں ان کا کام مکمل ہونے میں ابھی چند روز باقی تھے۔ وہ لندن میں فرنیچر کا ایک ''ڈس پلے سینٹر'' کھولنا چاہ رہے تھے۔ اس سلسلے میں چند قانونی دشواریاں تھیں جنہیں دور کرنے کے لیے انہوں نے ایک انگریز وکیل کی خدمات کر رکھی تھیں۔

جس وقت شفقت صاحب نے لندن سے بات کی اتفاقاً احسن گھر میں موجود نہیں تھا۔ یہ فون احسن کی بھابی صاحبہ ارجمند نے ہی سنا۔ حال احوال پوچھنے کے بعد شفقت صاحب نے چھوٹی بہو یعنی عنبرین سے بات کرنا چاہی۔ ارجمند نے انہیں بتایا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔

''یہ کیا معاملہ ہے بھئی' شفقت صاحب نے ذرا جھلا کر کہا ''پچھلی مرتبہ بھی عنبرین سے بات نہیں ہو سکی تھی تم نے بتایا تھا کہ وہ احسن سے کچھ ناراض ہے۔ کیا وہ ناراضگی ابھی تک دور نہیں ہوئی؟''

ارجمند نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا ''ابو یہ ناراضگی کچھ اور بڑھ گئی ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔''

''کیا مطلب تم مجھے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے ہو...... اور وہ احسن کہاں ہے مجھے پتا ہے ضرور اس گدھے کی طرف سے ہی کوئی نالائقی ہوئی ہے کہاں ہے وہ؟''

''وہ بھی گھر میں نہیں ہے ابو وہ بہت پریشان ہے بہت زیادہ۔''

''دیکھو ارجمند! تم مجھے تفصیل سے بتاؤ' ورنہ میں یہاں کا کام ادھورا چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔''

جواب میں ارجمند نے سب کچھ بتا دیا بلکہ وہ کچھ بھی بتا دیا جو وقوع پزیر ہی نہیں ہوا تھا۔ اس نے تصویر کا ایک ایسا رخ شفقت صاحب کے سامنے پیش کیا جس سے واضح ہوتا تھا کہ سارا قصور صرف اور صرف عنبرین اور اس کے پاپا کا ہے۔ کام بگاڑا بھی انہوں نے ہے اور اب غصہ بھی وہی دکھا رہے ہیں۔ ارجمند نے ڈھکے چھپے الفاظ میں شفقت صاحب کو سمجھا دیا کہ وہ قیوم صاحب یا عنبرین سے فون پر بات کرنے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دونوں بہت بھڑکے ہوئے ہیں فون پر بات کرنے سے معاملہ اور خراب ہے بہتر ہے کہ پاکستان واپس آنے کے بعد ہی ان سے بات کی جائے۔

☆☆☆

دو تین روز مزید گزر گئے۔ ایک دن انکل قیوم کے گھر سے احسن کے لیے فون آیا...... یہ فون عنبرین کے کولیگ ڈاکٹر حسنات کی طرف سے تھا۔ اس نے سلام دعا کے بعد احسن کو بتایا کہ عنبرین نے اس سے دو کتابیں مستعار لی ہوئی تھیں اس یہ کتابیں فوری طور پر درکار ہیں۔

''مجھے نہیں پتا اس کی کتابوں شتابوں کا...... اور نہ میں ملازم ہوں اس کا۔'' احسن نے جلے ہوئے لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

چند منٹ بعد فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ اس مرتبہ دوسری طرف انکل قیوم خود تھے۔ وہ برہم لہجے میں بولے ''مجھے لگتا ہے کہ تم بات کرنے کی تمیز بھی بھول گئے ہو۔ تمہارا جھگڑا عنبرین سے ہوگا یا مجھ سے ہوگا۔ حسنات کو غصہ دکھانے کی کیا ضرورت تھی تمہیں؟''

''غصہ آپ لوگ دکھاتے ہیں ہم تو غصہ سہنے والے ہیں۔ میں نے بس اتنا ہی کہا ہے کہ مجھے اس کی کتابوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔''

''تم نے اس کی توہین کی ہے اور یہ میری بھی توہین ہے۔''

''بہت خوب...... اپنی توہین کا بہت جلدی احساس ہو جاتا ہے آپ کو۔''

''کیوں تمہاری کیا توہین ہو گئی ہے؟''

''آپ میرا منہ نہ ہی کھلوائیں تو اچھا ہے یہ سب کیا دھرا آپ ہی کا ہے۔''

''تم ہوش میں تو ہو احسن؟ جانتے ہو کس سے بات کر رہے ہو؟''

''میں اس باپ سے بات کر رہا ہوں جس نے بیٹی کی زندگی میں زہر گھولنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ آپ کو...... آپ کو شرم

آنی چاہیے تھی۔ میری بیوی کو میری اجازت کے بغیر آپ نے ملک سے باہر بھیجا ہے اور ایک ایسے شخص کے ساتھ بھیجا ہے جو غلط ذہن اور گندی سوچ کا مالک ہے۔''

''غلط ذہن اور سوچ کے مالک تم ہو۔'' قیوم صاحب چیخ کر بولے۔

''چیخ چلا کر بولنے سے آپ سچے نہیں ہو جائیں گے۔''

''یُو شٹ اپ۔''

''یُو شٹ اپ'' احسن بھی جوابی طور پر چیخا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا نجانے کیوں اس لمحے احسن کو لگا کہ اس نے عنبرین کو کھو دیا ہے...... ہمیشہ کے لیے۔

☆☆☆

استنبول سے عنبرین کی واپسی تقریباً دو ہفتے بعد ہوئی تھی۔ امید کی ایک موہوم سی کرن ہر وقت اس کے سینے میں چمکتی تھی۔ شاید کچھ ہو جائے...... شاید احسن اپنے خیالات پر نظرِ ثانی کرے...... استنبول سے بھی اس نے جتنی مرتبہ گھر فون کیا تھا اس کی خواہش رہی تھی کہ پاپا یا ممی کی طرف سے حالات میں بہتری کی کوئی نوید ملے۔ اب بھی وہ آس امید کی ڈوریوں کو تھامتی ہوئی لاہور ائرپورٹ پر اتری تھی۔ ائرپورٹ سے گھر تک کے راستے میں بھی وہ پاپا اور ممی کے چہروں کو کھوجتی رہی تھی۔ ان چہروں پر کسی اچھی خبر کو تلاش کرتی رہی تھی۔ تاہم گھر پہنچ کر اسے پتا چلا تھا کہ حسبِ معمول کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ اچھی خبر کی جگہ ایک بری خبر اس کی منتظر تھی۔

پاپا نے بڑے آزردہ لہجے میں عنبرین کو اس ٹیلیفونک گفتگو سے آگاہ کیا تھا جو چند دن پہلے احسن سے ہوئی تھی۔ اس گفتگو کا خلاصہ جاننے کے بعد عنبرین کے اندر ایک دم سے کوئی شے بجھ گئی تھی۔ شاید یہ وہ کرن تھی جس نے پچھلے دو ڈھائی ماہ سے عنبرین کے اندر گھپ اندھیرا نہیں ہونے دیا تھا۔ آج عنبرین کو یہی محسوس ہوا تھا کہ گھپ اندھیرا ہو گیا ہے...... ہاں یہ گھپ اندھیرا تھا۔

وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی لیکن اپنے پاپا کی بے عزتی نہیں اور احسن نے ان کی بے عزتی کی تھی۔ انہیں بے شرمی کا طعنہ دیا تھا اور نہایت سخت الفاظ استعمال کیے تھے۔

''اِٹ از ٹو مچ...... یس اٹ از ٹو مچ۔'' وہ اپنے کمرے میں پہنچ کر بڑبڑائی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے پھوٹ رہے تھے۔ ایک آگ تھی جو تن بدن کو جھلساتی چلی جا رہی تھی۔ اسے اپنے پاپا پر پورا بھروسا تھا۔ اسے یقین تھا کہ انہوں نے جو کچھ بتایا ہے حرف بحرف سچ ہے۔ اس نے احسن کی زبان سے ادا ہونے والے یہ زہریلے الفاظ سنے نہیں تھے لیکن اسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ یہ الفاظ اس نے خود سنے ہیں۔

وہ تاریک کمرے میں بہت دیر تک روتی رہی...... سسکتی رہی۔ اس کی آنکھوں کا پانی اس کے اندر کی آگ کو بجھانے کی بجائے اور بھڑکا رہا تھا۔ اس رات عنبرین نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے ذہن کی ہر وہ کھڑکی بند کر دے گی جو احسن کی طرف کھلتی ہے جب تک احسن پاپا سے معافی نہیں مانگے گا اور پاپا اسے معاف نہیں کر دیں گے وہ اس کی صورت نہیں دیکھے گی۔

شادی کی پہلی سالگرہ کے دن جو دراڑ پیدا ہوئی تھی وہ اب وسیع ہوتے ہوتے بہت بڑا خلا بن گئی تھی۔ عنبرین اس خلا کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھتی تھی تو دوسرے کنارے پر احسن بہت...... بہت دور نظر آتا تھا۔ اس کی روح تڑپ جاتی تھی اور ہونٹ سسک اٹھتے تھے لیکن آواز بند کمرے کی دیواروں کے اندر ہی رہتی تھی۔

واپسی کے تین چار دن بعد ہی اس نے پھر سے روزمرہ کے معمولات شروع کر دیے۔ اس کے حالات اسے زیادہ دیر تک کام سے دور رہنے کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے۔ بطور گائنا کالوجسٹ اس کی شہرت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ وہ اس حوالے سے رفاہی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لے رہی تھی۔

اسے آگے بڑھانے میں سر عادل اور پاپا جانی کا کردار بہت اہم تھا۔ وہ دونوں قدم قدم پر اس کی رہنمائی کر رہے تھے اور ہمت بڑھا رہے تھے۔ سر عادل کے ذہن میں ایک بڑا گائنی اسپتال بنانے کا منصوبہ تھا۔ عنبرین کے پاپا کو بھی یہ منصوبہ کافی پسند آیا تھا۔ دونوں حضرات اس کام کے لیے کاغذی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ سر عادل کے پاس ورثے میں ملنے والی بارہ مربعے زرعی اراضی تھی وہ اس پراجیکٹ کے لیے یہ ساری اراضی بیچنے کے لیے تیار تھا۔ عنبرین کے پاپا اس مد میں تیس چالیس لاکھ انورڈ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ گاہے بگاہے وہ اس پراجیکٹ کے سلسلے میں عنبرین سے بھی مشورہ کرتے رہتے تھے۔ ایک روز عنبرین کو اسپتال میں پاپا کا فون آیا انہوں نے کہا کہ وہ سر عادل کے ساتھ فوراً ڈیفنس پہنچ جائے۔

''لیکن کس لیے پاپا؟'' عنبرین نے ذرا جز بز ہو کر پوچھا۔

''یہاں آؤ گی تو بتاؤں گا۔''

''تو میں اکیلی ہی آجاتی ہوں۔''

''نہیں...... تمہیں ایڈریس ڈھونڈنا مشکل ہوگا۔ عادل کے ساتھ ہی چلی آؤ تمہاری گاڑی عادل کا ڈرائیور گھر چھوڑ آئے گا۔''

''لیکن پاپا......؟''

''لیکن ویکن کچھ نہیں' بس آجاؤ۔'' قیوم صاحب کی آواز میں جوش تھا۔

عنبرین کا جواب سننے سے پہلے ہی انہوں نے فون بند کر دیا

تھا۔

ڈیوٹی سے فارغ ہو کر عنبرین سر عادل کے آفس میں چلی گئی۔ وہ بھی شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سر عادل کی ہنڈا گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی ڈیفنس کی طرف جا رہی تھی۔ جون جولائی کے دن تھے خاصی تپش تھی۔ ایک جگہ سر عادل کو چند کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کروانا تھی۔ انہوں نے گاڑی فوٹو اسٹیٹ پوائنٹ کے قریب ہی روکی۔ لڑکا فوٹو اسٹیٹ کرنے لگا دو دونوں گاڑی میں بیٹھے رہے ایک لڑکا کھڑکی کے قریب آ کر بولا ''کولڈ ڈرنک صاحب؟''

سر عادل نے عنبرین کی طرف دیکھا پھر دو کوک منگوا لیں۔

''سر! یہ کیا چکر ہے شاید آپ بھی مجھے سرپرائز دینے کے موڈ میں ہیں۔'' عنبرین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں کوئی ایسا سرپرائز تو نہیں بس قیوم صاحب نے ایک جگہ دیکھی ہے۔ شاید ہمیں بھی دکھانا چاہتے ہیں۔''

''کیسی جگہ؟''

''اسپتال کی جگہ...... عنبرین اسپتال...... مستقبل کا عظیم گائنی سینٹر۔'' عادل صاحب نے انکشاف کیا اور مسکرانے لگے۔

اچانک ان کی مسکراہٹ کو بریک لگ گئے۔ عنبرین نے ان کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور وہ بھی ٹھٹک گئی۔ شاپنگ پلازا کی سیڑھیوں پر سے احسن اتر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دو شاپرز تھے۔

عنبرین اور احسن کی نگاہیں بس چند لمحے کے لیے ملیں۔ ان چند لمحوں میں ہی کئی بار برق کوندی اور بہت کچھ خاکستر ہو گیا۔ احسن کی نگاہوں میں نفرت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ عنبرین کی نگاہوں نے کہا ''احسن...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے سنگدل ہو گئے۔ کیا تمہاری زندگی میں میرا اتنا مقام نہیں تھا کہ تم ایک بار مجھ سے رابطہ کر لیتے۔ اپنی زیادتی کی معافی نہ مانگتے بس ایک بار نام ہی پکار لیتے۔ تم نے یہ نہ کیا اور وہ کر دیا جو میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔ تم نے پاپا کی بے عزتی کی ان کے لیے سخت ترین لفظ استعمال کیے کیا یہی تھی میرے لیے تمہاری محبت؟''

دوسری طرف احسن کی نگاہوں نے کہا ''ٹھیک ہے عنبرین تمہیں تمہاری شہرتیں اور نیک نامیاں مبارک ہوں۔ اونچی ہواؤں میں اونچی اڑو اور اپنی مرضی کے ساتھیوں کے ہمراہ اڑو۔ میں تو تمہاری دنیا میں ایک اجنبی کی طرح آیا تھا اور اب تک اجنبی ہی رہا ہوں۔ اب میں تمہیں بہت اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ تم نے کبھی مجھ سے محبت کی ہی نہیں تھی اور محبت ہو بھی کیسے سکتی تھی تم اور جہان میں بسنے والی ہو۔ میں اور دنیا کا باسی ہوں۔''

پھر یہ چند لمحے گزر گئے، احسن آگے بڑھا اور اس نے دونوں شاپنگ بیگ گھما کر گاڑی میں پھینکے پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ چند لمحے بعد اس کی گاڑی سڑک پر دو طویل سیاہ نشان چھوڑتی ہوئی مین روڈ کی طرف چلی گئی۔

سر عادل نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا ''اگر میں نے پہچاننے میں غلطی نہیں کی تو یہ احسن تھا تمہارا ہسبینڈ۔''

''جی سر۔'' عنبرین نے سر جھکا کر کہا۔

''مجھے لگتا ہے تم دونوں کے درمیان خلیج بڑھتی جا رہی ہے۔''

''بس کبھی کبھی تو لگتا ہے سر کہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔'' وہ بڑے درد سے بولی۔

''میرا خیال ہے کہ جب سے ٹیلیفون پر قیوم صاحب اور احسن کی جھڑپ ہوئی ہے تم زیادہ مایوس ہو......''

''شاید'' عنبرین نے اداس لہجے میں کہا۔ کولڈ ڈرنک کی بوتل اس نے بنا پیے نیچے رکھ دی تھی۔

سر عادل کچھ دیر تک پرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر سمجھانے والے انداز میں بولے ''عنبرین! میرا تجربہ ہے کہ ازدواجی زندگی کے شروع میں ایک دو سال کے اندر ایسا موقع آتا ہے جب بہت کچھ بکھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ اتھل پتھل کچھ بھی نہیں ہوتی۔ دراصل یہ ایک ایڈجسٹ منٹ کا مرحلہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ذرا تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اس مرحلے سے بخوبی گزر جاتے ہیں جہاں تک میرا اندازہ ہے احسن اچھا لڑکا ہے۔ تم سے بہت محبت بھی کرتا ہے جہاں محبت زیادہ ہوتی ہے وہاں شکوے بھی شدید اور سنگین ہوتے ہیں لیکن جب ان شکوؤں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ بھاپ بن کر اڑ جاتے ہیں، انہوں نے ایک لمحہ توقف کیا اور بولے'' کہتے ہیں کہ استاد روحانی باپ ہوتا ہے ایک استاد کی حیثیت سے میرا تمہیں یہ مشورہ ہے کہ اس خلیج کو اور مت پھیلنے دو۔''

''سر آپ میرے مزاج کو اچھی طرح جانتے ہیں۔'' عنبرین روہانسے لہجے میں بولی۔ میں نے اس خلیج کو پاٹنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن جتنی کوشش کی ہے احسن نے اتنا ہی دور ہوتی ہوں۔ میری سمجھ میں اب کچھ نہیں آتا سر......؟

ڈیفنس کے راستے میں بھی سر عادل اور عنبرین اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ سر عادل کا انداز ناصحانہ تھا۔ وہ اگست کی ایک نکھری ہوئی شام تھی۔ چار دن کی موسلا دھار بارش کے بعد آسمان صاف تھا۔ بس مغرب میں سرخ کناروں والی چھوٹی چھوٹی دو تین بدلیاں تیر رہی تھیں۔ ایسی شاموں میں احسن اور عنبرین لمبی ڈرائیو پر نکلا کرتے تھے اور رات تک ایک دوسرے

میں گم رہا کرتے تھے۔ ایسی نکھری نکھری شامیں احسن کی کمزوری تھیں، لیکن آج معاملہ برعکس تھا۔ اس نکھری اجلی شام میں احسن کی طبیعت سخت مکدر تھی۔ آسمان صاف تھا لیکن احسن کے دل و دماغ میں دھواں بھرا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن احسن کے سینے میں جان لیوا گھٹن تھی۔ عنبرین کو اس سے جدا ہوئے ایک سال ہو گیا تھا، معاملات کے سدھرنے کی ساری امیدیں ایک ایک کر کے دم توڑ گئی تھیں۔ ان میں سے ایک امید احسن کے "والد" بھی تھے۔ پتا نہیں کیوں تنازعے کے شروع میں احسن کو امید تھی کہ وہ لندن سے واپس آتے ہی سارے معاملات ٹھیک کر لیں گے۔ لیکن وہ واپس ہی نہیں آئے تھے یہ پانچ چھ مہینے پہلے کا ذکر ہے وہ لندن میں اپنے طویل قیام کے بعد واپس آنے کی تیاری کر رہے تھے کہ طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ وہ میڈیکل چیک اپ کے لیے مزید ایک ہفتے کے لیے وہاں رک گئے تھے ان کا چیک اپ ہوا تھا اور ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ ان کے دل کے تین والو بند ہیں اور انہیں فوری طور پر بائی پاس سرجری کی ضرورت ہے۔ احسن اپنی والدہ کے ہمراہ والد صاحب کے پاس جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ان کے انتقال کی خبر آ گئی تھی۔ دو دن بعد وہ ایک تابوت میں بند لاہور پہنچے تھے۔ اس موقعے پر عنبرین کے والد بس رسم پوری کرنے کے لیے ان کے گھر آئے تھے اور جنازے میں شرکت کے فوراً بعد چلے گئے تھے، عنبرین ان دنوں ایک بار پھر بیرون ملک میں تھی...... اب ان اندوہناک واقعات کو بھی چار پانچ ماہ گزر چکے تھے۔

ہاں وہ بڑی اجلی شام تھی لیکن احسن کے سینے میں دھواں ہی دھواں بھرا ہوا تھا۔ آج ان کے شادی کی دوسری سالگرہ تھی۔ احسن کے دل کی کیفیت کچھ عجیب ہو رہی تھی۔ سب امیدیں ٹوٹ چکی تھیں۔ پھر بھی پتہ نہیں کیوں ایک بے نام انتظار رہتا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رات گئے تک کسی کرشمے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن کرشمہ کہیں نہیں تھا۔ وہی خاموش ٹیلی فون تھا۔ وہی خاموش دروازہ تھا، وہی خالی کمرا تھا جہاں اب تک ان کے سہاگ کی کئی نشانیاں بکھری ہوئی تھی، چمکتا ہوا بیڈ، سنگار میز، وارڈ روب اور الماری کے اندر اوندھی پڑی ایک گرد آلود فریم شدہ تصویر کتنی پیاری تصویر تھی وہ...... کتنی چاہت سے اتروائی تھی انہوں نے رات بارہ بجے کے بعد احسن اپنی جگہ سے اٹھا سالگرہ کا دن گزر چکا تھا۔

اڑتے اڑتے اس کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی

اس نے فون کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا پھر الماری کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنی شادی کے البم نکالے اور وہ ساری تصویریں نکال لیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طور عنبرین سے تھا۔ اس کے بعد اس نے کمرے میں سے چن چن کر وہ ساری اشیا نکال لیں جو کسی بھی اعتبار سے عنبرین سے وابستہ تھیں یہ تلخ یادوں کا ایک انبار تھا وہ اس انبار میں سے کچھ "یادوں" کو چھت پر لے گیا اور ان پر بہت سا پرفیوم چھڑک کر انہیں جلا دیا۔ کچھ "یادوں" کو توڑ پھوڑ کر شاپروں میں بند کر دیا اور کوڑے دان میں پھینک دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی سرخ انگارا آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے بہت سے چھینٹے مارے اور کمرے میں آ کر سو گیا۔

اس دن کے بعد آنے والا ہر دن احسن کو عنبرین سے کچھ دور ہی لے گیا تھا۔ اس نے خود کو مصروف رکھنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ والد صاحب کی وفات کے بعد ویسے بھی احسن کی ذمے داریاں قدرے بڑھ گئی تھیں۔ اس نے خود کو کام میں غرق کرنے کی کوشش کی اور کسی حد تک کامیاب رہا۔

سات آٹھ ماہ مزید اسی طرح گزر گئے۔ اسے گاہے بگاہے عنبرین کے بارے میں خبریں ملتی رہتی تھیں۔ کبھی اخبار کے ذریعے کبھی ٹی وی کے توسط سے کبھی یونہی گھر میں کوئی ذکر کر دیتا تھا "عنبرین گائنی سینٹر" کی تعمیر زور و شور سے جاری تھی۔ سینٹر کا آغاز ہونے سے پہلے ہی اسے کافی شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ یہ جدید سہولیات سے آراستہ ایک بہترین اسپتال بننے جا رہا تھا۔ عنبرین کے والد اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ان کا ساتھ پروفیسر عادل دے رہے تھے۔ درحقیقت یہی دونوں حضرات اس پراجیکٹ کے روح رواں تھے لیکن اس پراجیکٹ کی اصل وجہ شہرت ڈاکٹر عنبرین کا نام تھا۔ الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے وہ ایک مصروف ڈاکٹر بن گئی تھی، عنبرین کی قابلیت اپنی جگہ مسلمہ تھی لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ٹی وی کی اسکرین نے اس کی شہرت کو چار چاند لگائے تھے۔

انہی دنوں کام کے سلسلے میں احسن کا انگلینڈ جانا ہوا والد صاحب نے لندن میں قیام کے دوران میں وہاں ایک شوروم کی بنیاد رکھ دی تھی۔ تاہم ان کی وفات کے بعد سے یہ شوروم بند پڑا تھا، مقامی لینڈ لارڈ کے ساتھ اس شوروم کا کچھ حساب کتاب کرنا باقی تھا...... احسن پہلی بار لندن آیا تھا۔ یہ شہر اسے کافی پسند آیا۔ یہاں اس کا ایک دوست بھی بن گیا، یہ ہنس مکھ کشمیری طارق بٹ تھا۔ طارق بٹ یہاں ریجنٹ پارک کے علاقے میں ایک ریسٹورنٹ چلاتا تھا۔ کھانا اور کھلانا اس کا خاندانی پیشہ تھا اور وہ اس میں بہت کامیاب بھی تھا۔ طارق بٹ نے ایک انگریز خاتون جولیان سے شادی کر رکھی تھی اور اس میں سے اس کے دو بچے بھی تھے۔

چند روز کے قیام کے دوران میں ہی طارق بٹ اور احسن

...میں گھل مل گئے۔ طارق کو احسن کی زندگی کے کچھ ...بھی معلوم ہو گئے تھے۔ طارق نے احسن کو برادرانہ مشورہ ...کہ وہ اپنے کاروبار کو لندن شفٹ کر لے اور یہیں مقیم ...ہو جائے۔

شروع میں تو احسن نے طارق بٹ کی بات کو زیادہ اہمیت ...نہیں دی لیکن پاکستان واپس پہنچ کر یہاں کی گھٹن میں مسلسل ...سانس لینے کے بعد وہ سنجیدگی سے اس بارے میں سوچنے لگا۔ ...اس نے تقریباً... دو ماہ تک اس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور ...کیا۔ نجانے کیوں اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ لاہور سے دور ...جا کر زیادہ سکھی رہے گا...... وہ جتنی دور ہوگا عنبرین کے حوالے ...سے خود کو بدلنا اتنا ہی آسان ہوگا...... عنبرین کے ناتے سے اس ...کی بے خبریاں بڑھیں گی اور یہ بے خبریاں اسے پرسکون رکھیں ...گی۔ ویسے بھی والد صاحب کی وفات کے بعد وہ کاروبار کا ...بلا شرکت غیرے مالک تھا اور کاروبار کے بارے میں ہر قسم کا ...فیصلہ از خود کر سکتا تھا۔

تین ماہ بعد وہ طارق کی خواہش پر پھر انگلینڈ گیا اور تقریباً ...تین ہفتے طارق اور جولیان کے ساتھ ان کے گھر میں رہا۔ اس ...دوران میں اس نے لندن میں فرنیچر کے شوروم کے لیے ایک ...نئی جگہ بھی دیکھی اس کے علاوہ ٹون برج کے علاقے میں ایک ...گھر کا جائزہ بھی لیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بڑی تیزی سے ...ہوا تقریباً تین ماہ بعد احسن اپنے لاہور اور اپنے وطن کو خیرآباد ...کہہ کر لندن منتقل ہو رہا تھا۔ وہ ان گلی کوچوں کو چھوڑ آیا تھا جہاں ...کوئی اس کے قریب ہوتے ہوئے بھی بہت دور تھا۔ وہ ان ...فضاؤں کو الوداع کہہ آیا تھا جہاں ہر سانس اس کے سینے میں ...زہریلا دھواں بھرتی تھی۔ جہاں ایک ویران کمرے میں اسے ...بیتے دنوں کی نرم سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں اور جہاں ایک دیوار ...پر اتار کر پھینک دی گئی ہوئی تصویر کا انمٹ نشان تھا۔

لاہور سے احسن کا لندن شفٹ ہو جانا اہل خانہ کے لیے ...کافی تعجب کا باعث بنا تھا۔ خاص طور سے والدہ بہت ڈسٹرب ...تھیں۔ تاہم وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ احسن کا لاہور سے دور جانا اس ...کے لیے بہتری پیدا کرے گا۔ وہ احسن کو دن رات عنبرین کی ...جدائی میں گھلتے دیکھتی تھی لیکن کچھ کر نہیں سکتی تھیں...... احسن نے ...والدہ سے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلیں لیکن انہوں نے ...اپنا پاکستان میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔ بھائی جان اکبر کے ...ہوتے ہوئے احسن کو والدہ کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔

یوں تو بھابی اور بھائی نے بھی احسن کے پاکستان چھوڑنے ...پر دکھ کا اظہار کیا تھا لیکن دلوں کے حال تو اللہ بہتر جانتا ...ہے نجانے کیوں کبھی کبھی احسن کو محسوس ہوتا تھا کہ اس کے اور ...عنبرین کے درمیان خلیج کو وسیع کرنے میں بھابی کا بھی کچھ نہ کچھ کردار ہے۔ بہرحال اب تو "چڑیاں چگ گئیں کھیت......" والا معاملہ تھا۔

لندن میں احسن کو سیٹل ہونے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ اس نے یہاں معقول حد تک انویسٹ منٹ کی تھی، برٹش قانون کے تحت اس انویسٹمنٹ کی وجہ سے فوری طور پر یہاں کی شہریت مل گئی تھی۔ مزید آسانیاں طارق بٹ کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ طارق پچھلے پندرہ سال سے یہاں مقیم تھا اور اب لندن کو لندن والوں سے بڑھ کر جانتا تھا۔ اس نے ہر مرحلے میں توقع سے بڑھ کر احسن کی مدد کی۔ چند ہفتے کے اندر ہی آکسفورڈ اسٹریٹ کی ایک اچھی لوکیشن پر اورینٹل فرنیچرز کے نام سے احسن کا شوروم کھل گیا۔ اس شوروم کے لیے پہلے تین چار گاہک بھی طارق بٹ نے ہی فراہم کیے تھے۔ جلد ہی یہاں احسن کا کام چل نکلا، پہلے اس نے صرف ایک سیل مین رکھا تھا۔ جلد ہی اس ایک سیل مین اور ایک سیل گرل کا مزید انتظام کرنا پڑا۔ فرنیچر کی نقل و حمل کے لیے بھی دو لڑکے رکھے گئے۔

ان میں سے ایک لڑکا کارپینٹر بھی تھا۔ طارق بٹ کے ریسٹورنٹ کا کام شام آٹھ بجے کے بعد شروع ہوتا تھا۔ وہ سہ پہر تین بجے کے لگ بھگ احسن کے شوروم میں آ جاتا، شام کی چائے دونوں اکٹھے پیتے...... اور مختلف امور پر گفتگو کرتے، درحقیقت طارق کی صورت میں احسن کو ایک ایسا دوست ملا تھا جو اس کے ذہن سے لاہور کی یادوں کو دھندلانے میں اہم کردار ادا کر رہا تھا لیکن پھر بھی چند یادیں ایسی تھیں جو کسی صورت دھندلانے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ ان یادوں کا تعلق صرف اور صرف عنبرین سے تھا۔

ایک روز شوروم پر ایک انگریز فیملی آئی۔ اس فیملی میں ایک خوبرو لڑکی بھی تھی وہ جینز اور شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ پاؤں میں جوگرز تھے، بال پونی ٹیل کی شکل میں بندھے ہوئے تھے، عمر پچیس سال کے قریب رہی ہوگی۔

وہ احسن کو بے تکلفی سے مخاطب کرتے ہوئے بولی "آپ پاکستانی ہیں؟"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔" احسن نے شستہ انگریزی میں جواب دیا۔

"کالج میں میرا ایک پاکستانی دوست جواد تھا بہت اچھا لڑکا تھا۔ بے چارہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں مارا گیا۔ مجھے آج تک اس کا افسوس ہے۔

لڑکی نے اپنا نام باربرا بتایا۔ وہ بڑی تیزی سے بات کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر اس کی ہلکی نیلی آنکھیں سب سے خوبصورت تھیں۔ شاید اسے خود بھی اس خوبصورتی کا احساس تھا۔ وہ گفتگو کے دوران میں خاص خاص موقعوں پر ان آنکھوں

پر بڑے اچھے طریقے سے استعمال کرتی تھی۔

فرنیچر کی خرید کے سلسلے میں باربرا کو اگلے ایک ہفتے میں دو تین بار شوروم آنا پڑا۔ وہ اپنا اسٹڈی روم نئے انداز سے سجا رہی تھی اور اسی کے لیے اسے کچھ اشیا درکار تھیں۔ پہلی دو مرتبہ اس کے والدین ساتھ آئے لیکن پھر دو مرتبہ وہ اکیلی ہی چلی آئی تھی وہ جب بھی آئی اس نے فرنیچر سے زیادہ احسن پر توجہ دی اور دس پندرہ منٹ اس سے ضرور گفتگو کی۔ وہ مشرقیت کی دلدادہ نظر آتی تھی۔ اس نے بتایا کہ پاکستان انڈیا وغیرہ دیکھنے کی خواہش اس کے اندر بہت دیر سے پل رہی ہے۔

دس دن بعد باربرا کا آرڈر تیار ہو کر اس کے گھر پہنچ گیا اور احسن نے خیال کیا کہ اب وہ شاید کافی دیر تک نظر نہیں آئے گی مگر احسن کا یہ خیال درست ثابت نہیں ہوا۔ صرف ایک ہفتے بعد ہی شوروم پر باربرا کا فون آ گیا۔

''ہیلو مسٹر احسن! کیسے ہیں آپ؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کا فرنیچر کیسا ہے؟'' احسن نے پوچھا۔

''باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن جو بڑی الماری ہے اس کی طبیعت ذرا خراب ہے اس کی نیچے والی ساری درازیں پھنستی ہیں۔ زیادہ استعمال بھی وہی ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے پریشانی ہے۔''

''اوہو'' احسن نے ہونٹ سکوڑے۔ ایسا ہونا تو نہیں چاہئے تھا۔ بہرحال میں آج ہی کاریگر آپ کی طرف بھیجتا ہوں وہ دراز ٹھیک کر دے گا۔''

''بہت شکریہ...... ویسے مجموعی طور پر آپ کا کام پسند آیا ہے۔ اپنے دیگر دوستوں کو بھی میں آپ کے بارے میں بتا رہی ہوں۔ اگر ہو سکے تو اپنے دو چار تعارفی کارڈز کاریگر کے ہاتھ بھجوا دیجئے گا۔

احسن ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ وہ اپنے آپ ہی سیل پروموشن آفیسر بن رہی تھی۔ وہ جس انداز میں بات کر رہی تھی شاید اگلے دو تین گھنٹے بھی یہ گفتگو جاری رہتی لیکن اسی دوران چند گاہک آ گئے اور احسن کو معذرت کے ساتھ فون بند کرنا پڑا۔

دو ہفتے بعد باربرا پھر شوروم پر نظر آئی اس مرتبہ اس کی دو فرینڈز ساتھ تھیں ایک انگریز تھی ایک اینگلو انڈین' انگریز نے سوئمنگ پول کے لیے دو کرسیاں پسند کیں۔ اس وقت طارق بٹ بھی شوروم میں موجود تھا۔ اس نے باربرا کی طرف دیکھا اور آنکھیں نچا کر بولا ''یار جی یہ آج کل کڑیاں شڑیاں بہت نظر آتی ہیں تیرے شوروم پر۔''

''بھئی ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں...... ان میں کڑیاں بھی ہوتی ہیں۔''

''لیکن میں تو ایک ہی کڑی کی بات کر رہا ہوں...... یہ جو نیلی شرٹ اور چھوٹے بالوں والی کھڑکی کے پاس کھڑی ہے۔''

''کیوں اس میں کیا بات ہے؟''

''پتا نہیں' اس میں کوئی بات ہے یا نہیں لیکن تجھ میں کوئی بات ضرور ہے یہ جب بھی تیری طرف دیکھتی ہے اس کی آنکھوں میں لشکارے سے نظر آتے ہیں۔

''میرا خیال ہے کہ آج پھر تم نے کوٹے سے زیادہ بیئر پی ہے۔'' احسن نے بے پروائی سے کہا۔

''اوئے بیئر پی کر تو میرا دماغ اور بھی تیز کام کرتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں یہ انگریز مٹیار ضرور تیرے اندر INTEREST لے رہی ہے۔

''اگر ایسا کر رہی ہے تو بے وقوفی کر رہی ہے یہاں اب...... کچھ نہیں ہے۔'' احسن نے ٹھنڈی سانس لی۔

''یار جی آنے والے وقت کے بارے میں تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تاہم یہ لندن ہے یار یہاں بڑے بڑے مردہ دل پھر سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ تم کچھ وقت گزرنے دو۔ پھر دیکھنا تمہارے اندر کی مردہ دھرتی میں کیسی ہریالی اگتی ہے۔''

''یہ تو پتھروں اور شیشوں کا شہر ہے تم پتا نہیں کس ہریالی کی بات کر رہے ہو۔'' احسن نے بیزاری سے کہا۔

''میں اور طرح کی ہریالی کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا اور پھر ہولے ہولے گنگنانے لگا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا...... ہوتا ہے کیا۔''

☆☆☆

آگے کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں واقعی کوئی کچھ نہیں جانتا۔ ایک وقت میں جو کام بالکل ناممکن نظر آتے ہیں وہ کسی دوسرے وقت اور دوسرے ماحول میں ممکن نظر آنے لگتے ہیں...... احسن کو پاکستان آئے اب ڈیڑھ سال ہونے کو آیا تھا۔ شروع میں وہ سوچتا تھا کہ اپنے اہل خانہ سے اور خاص طور سے والدہ سے جدائی کیسے برداشت کرے گا لیکن اب یہ سب کچھ زندگی کا حصہ بن گیا تھا۔

وہ ہر ویک اینڈ پر پاکستانی وقت کے مطابق شام آٹھ بجے کے لگ بھگ گھر میں فون کرتا تھا۔ والدہ' بھائی اور بھابی کا حال احوال پوچھتا تھا۔ بچوں کی خیریت دریافت کرتا تھا اور ان سے دو چار باتیں کرتا تھا۔ دو ڈھائی ماہ بعد وہ والدہ یا بھتیجوں کے لیے کوئی نہ کوئی چیز بھی پاکستان پارسل کر دیتا تھا۔ بس اتنے ہی تعلق سے وہ مطمئن تھا۔ وہ اس تعلق کو بس یہیں تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ گھر والوں سے گفتگو کے دوران میں بھی اس کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی غیر متعلقہ موضوع شروع نہ ہو جائے۔ غیر متعلقہ موضوع سے اس کی مراد عنبرین اور اس کے گھر والے تھے۔ وہ

اس سلسلے میں کچھ بھی سننا نہیں یا جاننا نہیں چاہتا تھا وہ مکمل تاریکی چاہتا تھا اور یہی تاریکی اسے بدترین اذیت سے بچاتی تھی۔

پچھلے سال ڈیڑھ سال میں شوروم نے خاطر خواہ ترقی کی تھی۔ احسن نے شوروم کے عقب میں بھی ایک اسٹور خرید اتھا اور اسے گرا کر جگہ شوروم میں شامل کر لی تھی۔ اب اس کے شوروم میں تقریباً دس لڑکے لڑکیاں کام کر رہے تھے۔ اس نے ایک منیجر بھی رکھ لیا تھا۔ منیجر کے سبب اس کی ذمہ داری کافی کم ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی وہ طارق اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ گھومنے پھرنے کے لیے وقت نکال لیتا تھا۔ کسی وقت وہ لوگ اس کے گھر آجاتے تھے۔ طارق کے علاوہ بھی کمیونٹی میں احسن کے دو چار دوست بن گئے تھے اور وقت اچھا گزر رہا تھا۔

باربرا والا معاملہ بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ فون پر اکثر اس سے بات ہوتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی وہ کسی بہانے شوروم پر بھی چلی آتی تھی۔ وہ ایک متوسط انگریز گھرانے کی لڑکی تھی لیکن عام انگریز لڑکیوں کی طرح مادر پدر آزاد نہیں تھی، وہ بہو انگریز نظر آتی تھی لیکن اب احسن کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کی رگوں میں مشرقی خون بھی شامل ہے۔ باربرا کی ماں اینگلو انڈین تھی۔ باربرا کی ماں کے خدوخال میں بھی تھوڑی بہت مشرقی جھلک پائی جاتی تھی۔ یہی مشرقی اثر تھا جس کے سبب باربرا کو کسی حد تک روایت سے لگاؤ تھا۔

باربرا نے کمپیوٹر میں ڈپلوما حاصل کر لیا تھا اور ایک پرنٹنگ کمپنی میں بطور پروگرامر کام کر رہی تھی۔

وہ لندن کا ایک چمکیلا دن تھا۔ ایسے دن کم کم ہی لندن کے حصے میں آتے ہیں۔ صبح کا وقت تھا۔ شوروم پر ابھی جھاڑ پونچھ کا کام ہی ہو رہا تھا فون کی گھنٹی بجی...... حسب توقع دوسری طرف باربرا ہی تھی "ہیلو ہائے" کے بعد باربرا بولی "احسن وہ بڑی الماری کی درازیں پھر پھنسنا شروع ہوگئی ہیں۔"

احسن نے مسکراتے ہوئے کہا "پتا نہیں وہ کون سی بری گھڑی تھی جب میں نے تمہیں وہ الماری فروخت کردی۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا باربرا کہ تم وہ الماری مجھے واپس کردو اور اس کے بدلے بالکل نئی الماری مجھ سے لے لو...... بلکہ دو الماریاں لے لو۔"

"نہیں یہ ظلم تو میں تم پر ہرگز نہیں کرسکتی...... بس تم اسے ایک بار بالکل ٹھیک کردو۔"

"پتا نہیں یہ بالکل ٹھیک کیسے ہوگی۔" احسن نے ٹھنڈی سانس لی پھر ذرا توقف سے بولا "اچھا ابھی تھوڑی دیر میں کاریگر ...تمہیں اسے بھیجتا ہوں۔"

"کون......؟ وہی لمبے بالوں والا لڑکا گوبندر سنگھ؟"

"ہاں۔"

"اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ دو ہفتے پہلے بھی تو وہی آیا تھا...... میرا تو خیال ہے کہ ایک بار تم خود آکر دیکھ لو۔"

"لیکن میں یہاں سے کیسے اٹھ سکتا ہوں؟"

"تو کل پر رکھ لو۔ کل چھٹی ہے۔"

"کل گوبندر نہیں ہوگا۔"

"تو اکیلے چلے آنا۔ آکر مسئلہ دیکھ لو اصل پرابلم کا پتہ چل گیا تو پھر گوبندر بھی ٹھیک کرلے گا۔"

باربرا کی رہائش ہیں واٹر کے علاقے میں تھی۔ اگلے روز احسن کو اس کے گھر تک پہنچنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ وہ اپنی نئے ماڈل کی ڈاٹسن سیدھا پورچ میں لے گیا۔ باربرا کا گھر زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اچھی طرح سجا ہوا تھا۔ باربرا لان میں پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ اس نے پتلون کے پائنچے اڑس رکھے تھے۔ باریک سی شرٹ بھیگی ہوئی تھی اور اس کے دلکش جسمانی خطوط کو نمایاں کر رہی تھی۔

احسن کو دیکھ کر باربرا نے شرارت کے انداز میں تھوڑا سا پانی احسن کے پاؤں کی طرف پھینکا پھر مسکرا کر پائپ ایک طرف رکھ دیا۔ وہ احسن کو نشست گاہ میں لے آئی۔ نشست گاہ میں آرائش کی کئی اشیا خالص مشرقی انداز لیے ہوئے تھیں۔ گھر میں ایک سیاہ فام ملازمہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ باربرا کے ممی ڈیڈی لندن کے مضافات میں اپنا فارم دیکھنے گئے ہوئے تھے۔

باربرا نے احسن کو بٹھایا اور جلد ہی کپڑے بدل کر واپس آگئی۔ دھاری دار اسکرٹ اس کے جسم پر خوب جچ رہا تھا۔ درحقیقت وہ ایک تو بہ شکن جسم کی مالک تھی جب بھی مناسب لباس پہن لیتی تھی جسمانی خدوخال اور بھی تہلکہ خیز ہوجاتے تھے۔

"کیا پیو گے؟" باربرا نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور اپنی خوبصورت آنکھوں کا بہترین استعمال کیا۔

"بہت شکریہ...... تم مجھے وہ دراز دکھاؤ جن کی وجہ سے میری راتوں کو نیند حرام ہو رہی ہے۔"

"ان درازوں کی وجہ سے نیند تو میری بھی حرام ہو رہی ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"دراصل بدلتے موسم کی وجہ سے ایسے مسئلے ہوجاتے ہیں۔" احسن اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں...... موسم بھی بڑی عجیب شے ہے۔" اس کا لہجہ بدستور معنی خیز تھا۔

احسن سنی ان سنی کرتا ہوا باربرا کے ساتھ اسٹڈی میں آیا۔ اس نے درازیں دیکھیں۔ صرف دو درازیں معمولی سی رگڑ کھاتی تھیں...... باربرا نے بس رائی کا پہاڑ بنایا ہوا تھا۔ احسن کو معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے۔

اگلے دو گھنٹے میں اس کے خیال کو مزید "تقویت" ملی۔

یوں لگتا تھا کہ باربرا نے صرف کھانے پینے اور باتیں کرنے کے لیے اسے یہاں بلایا ہے وہ بہانے بہانے سے احسن کو مسلسل روکتی رہی۔ آخرکار وہ کچن میں اوون کے اندر کچھ اس قسم کے کباب رکھ آئی تھی جنہیں کم از کم ڈیڑھ گھنٹے میں تیار ہونا تھا۔ وہ احسن کو اپنی پیدائش سے لے کر اب تک کی تصویریں دکھا رہی تھی۔ ان میں وہ تصویریں بھی شامل تھیں جو تین ماہ پہلے انہوں نے برمنگھم کے تفریحی ٹور میں اتاری تھیں۔ اس ٹور میں باربرا کے علاوہ طارق بٹ...... طارق بٹ کی اہلیہ جولیان اور احسن بھی شامل تھے' تصویریں دکھانے کے ساتھ ساتھ وہ مسلسل باتیں بھی کررہی تھی۔ شاید احسن کو یہ باتیں بور کردیتیں لیکن باربرا کا انداز دلربا تھا۔ احسن اس کی باتوں سے زیادہ اس کی آواز اور آنکھوں کی دلکشی پر توجہ دے رہا تھا۔

اس روز جب احسن باربرا کے گھر سے واپس آیا تو پورچ کی طرف جاتے ہوئے باربرا نے احسن کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ دونوں کے کندھے بار بار آپس میں ٹکراتے تھے اور ہر بار جب ایسا ہوتا تھا احسن کے جسم میں برقی رو دوڑ جاتی تھی...... شاید...... شاید ڈیڑھ دو سال پہلے طارق بٹ نے ٹھیک ہی کہا تھا...... آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔

اس رات احسن اپنے تنہا گھر کے تنہا کمرے میں دیر تک جاگتا رہا۔ اسے عنبرین یاد آتی رہی اور وہ شب و روز یاد آتے رہے جو بتدریج انہیں ایک دوسرے سے دور لے گئے تھے۔ اس نے اپنے طور پر سیکڑوں بار ان شب و روز کا تجزیہ کیا تھا۔ ایک ایک موڑ' ایک ایک نشیب و فراز پر غور کیا تھا۔ ہر بار اس نے ایک ہی نتیجہ نکالا تھا۔ شاید وہ اور عنبرین دونوں ایک دوجے کو چاہتے تھے۔ ایک ساتھ رہنا چاہتے تھے لیکن حالات نے انہیں قید کرلیا تھا۔ اس پورے معاملے پر غور کرنے سے احسن کی سمجھ میں آتا تھا کہ عنبرین کی دو غلطیاں ایسی تھیں جن کے سبب حالات کے سدھار کی ہر امید دم توڑ گئی۔ عنبرین کی پہلی غلطی یہ تھی کہ وہ شادی کے پہلے دن سے احسن کو مناسب وقت نہ دے سکی۔ بے شمار مواقع ایسے آئے جب احسن کو اس کی بے حد ضرورت تھی...... لیکن اپنی کسی نہ کسی مصروفیت کے سبب وہ احسن سے دور رہی۔ عنبرین کی دوسری غلطی یقیناً یہ تھی کہ اس نے ایک رشتے کو اپنی پوری زندگی پر حاوی کرلیا۔ اور یہ "باپ بیٹی" کا رشتہ تھا۔ عنبرین نے اپنے "پاپا جانی" کی ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش پر زندگی کی اہم ترین خوشیاں قربان کردیں اور اپنی ازدواجی زندگی کو تہس نہس کرلیا۔

عنبرین کے اور اپنے درمیان احسن نے ایک بلند دیوار کھڑی کرلی تھی۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس دیوار کے پار جھانکے۔ دوسری طرف بھی شاید ایسی ہی کیفیت تھی" بے شک دونوں خاندانوں میں سارے رابطے منقطع ہوچکے تھے لیکن عنبرین کے وارثوں کو اتنا اندازہ تو ضرور ہوگا کہ احسن کہاں ہے۔ ان کی طرف سے احسن کے ساتھ کبھی کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ شروع شروع میں احسن کا خیال تھا کہ شاید اس سے طلاق کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس کے لیے بھی تیار تھا۔ مگر یہ مطالبہ نہیں ہوا...... اور نہ ہی اس قسم کی کوئی اور بات احسن تک پہنچی۔ یوں لگتا تھا کہ عنبرین اور اس کے اہل خانہ کے نزدیک ان معاملات کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ احسن کا ہونا نہ ہونا ازدواجی رشتے کا باقی رہنا' نہ رہنا ان کے لیے برابر تھا۔ ان کے نزدیک کچھ اور چیزیں اہم تھیں اور ان کی ساری توجہ بھی ان کی طرف ہی تھی۔

اگلے روز شام کو باربرا کا فون آیا "ہیلو کیسے ہو؟"

"تمہاری الماری کیسی ہے؟"

"کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہوگئی ہے۔" وہ بولی "اب تو ایک دراز اتنی رواں ہوگئی ہے کہ خود بخود کھل جاتی ہے۔"

"اب تو مسئلے کا ایک ہی حل ہے۔" احسن بولا "میں گوبندر کو لے کر مستقل طور پر تمہارے گھر آجاتا ہوں' الماری کے جو جو مسائل پیدا ہوتے رہیں گے' وہ ہم ساتھ ساتھ ٹھیک کرتے رہیں گے۔"

وہ شوخی سے بولی "یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں الماری سمیت تمہارے گھر آجاؤں...... دونوں مل کر اسے ٹھیک کرتے ہیں۔"

"یہ تم جس چیز کو الماری کہہ رہی ہو' یہ آخر ہے کیا چیز؟" احسن زچ ہوکر بولا۔

"بتادوں؟" وہ عجیب سی شرم آمیز شوخی سے بولی۔

"میرا خیال ہے بتا ہی دو۔"

"یہ...... میں خود ہوں...... شاید مجھے تمہارے پیار بھرے ہنرمند ہاتھوں کی ضرورت ہے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کردیا۔

...... ٹھیک تین ماہ بعد نومبر کی ایک خوش رنگ شام کو باربرا سے احسن کی شادی ہوگئی۔ ایک سادہ سی تقریب تھی کمیونٹی کے گنے چنے افراد اس میں شامل تھے۔ طارق بٹ اس شادی خانہ آبادی پر بہت خوش تھا۔ احسن پر اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ پاکستانی انداز میں ایک بہت بڑی تقریب منعقد کردیتا۔ اس شادی میں باربرا کے والد شریک نہیں تھے وہ ورلڈ ٹور پر نکلے ہوئے تھے' تاہم باربرا کی والدہ نے شادی میں شرکت کی۔ باربرا نے ...... نکاح سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کا اسلامی نام پہلے نام سے ملتا جلتا رکھا گیا یعنی بابرہ...... شادی سے پہلے باربرا احسن کے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔ جو

دو چار باتیں رہ گئیں تھیں وہ بھی آخر میں احسن نے اسے بتادی تھیں۔ باربرا اب جانتی تھی کہ پہلے بھی احسن کی شادی ہوچکی ہے اور یہ بھی جانتی تھی کہ یہ شادی کن حالات میں کس انجام کا شکار ہوئی۔

باربرا یعنی بابرہ ایک پریکٹیکل لڑکی تھی۔ شادی کے بعد اس نے گھر بیٹھ کر احسن کا انتظار کرتے رہنے سے بہتر سمجھا کہ وہ کام میں احسن کا ہاتھ بٹائے۔ شادی کے دو ہفتے بعد ہی اس نے احسن کے ساتھ شوروم جانا شروع کردیا۔ وہ کمپیوٹر کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس نے احسن کے پھیلے ہوئے سارے کاروبار کا حساب کتاب بڑے اچھے طریقے سے کمپیوٹر پر منتقل کردیا۔ اس سے احسن کو بے پناہ آسانی محسوس ہونے لگی۔ بابرہ اور طارق کا کہنا تھا کہ اورینٹل فرنیچر کا نام علاقے میں مقبول ہوگیا ہے' لہٰذا بہتر ہوگا کہ اس نام سے ایک اور برانچ قریبی علاقے میں کھول دی جائے۔ بابرہ کے کام میں شامل ہونے سے احسن کو کافی ہمت ملی تھی...... جلد ہی وہ بھی اس لائن پر سوچنے لگا جس پر بابرہ اور طارق وغیرہ سوچ رہے تھے۔

نئی برانچ کا افتتاح احسن نے اپنے محسن دوست طارق بٹ کے ہاتھوں ہی کرایا تھا۔ فیتہ کاٹنے کے بعد جب وہ اندر آئے تو طارق بٹ بولا "یار جی...... میں نے ایک دن دل ہی دل میں قسم کھائی تھی کہ تمہارے شوروم میں جتنے ملازم ہیں میں تمہارے شوروم کی اتنی ہی برانچیں کھلواؤں گا اور دیکھ لو اب یہ سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔"

احسن نے دیدے گھماتے ہوئے پوچھا "اور جب تم نے یہ نامعقول قسم کھائی تھی اس وقت شوروم میں کتنے ملازم تھے؟"

"میں تمہیں بتا کر پریشان کرنا نہیں چاہتا...... دیکھو کتنے مزیدار رس گلے ہیں پہلے ڈیڑھ دو درجن رس گلے کھالو پھر اس بارے میں بات کریں گے۔"

اگر تمہاری بات اتنی ہی کڑوی ہے تو پھر اسے نہ ہی کہو۔" احسن نے کہا اور زور کا قہقہہ پڑا۔

طارق کی بڑی صاحبزادی "شمائلہ" شوخ لہجے میں بولی "میرا خیال ہے انکل! پاپا کوڈ ورڈ میں بات کررہے ہیں' ڈیڑھ دو درجن رس گلوں سے ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ کی دکان کی ڈیڑھ دو درجن برانچیں کھلیں گی۔"

☆☆☆

زندگی بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہفتے مہینوں میں مہینے سالوں میں بدل رہے تھے۔ احسن نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی وقت اتنا مصروف ہوجائے گا۔ اسے پاکستان سے آئے ہوئے اب سات سال ہوچکے تھے۔ لندن' مانچسٹر اور بریڈفورڈ میں اورینٹل فرنیچر کی چار شاخیں قائم ہوچکی تھیں۔ احسن کا زیادہ تر وقت اب ان برانچز کے وزٹ کرنے میں ہی گزرتا تھا۔ بہت سا کام اس کے منیجرز نے سنبھال لیا تھا۔ ایک برانچ کی مکمل ذمے داری بابرہ اپنے اوپر لینا چاہتی تھی لیکن احسن نے اسے سختی سے منع کردیا تھا۔ اس نے کہا تھا "بابرہ! کام اس لیے کیا جاتا ہے کہ انسان زندہ رہ سکے' زندہ اس لیے نہیں رہا جاتا کہ کام کیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ رات کو جب میں گھر آؤں تو تم وہاں پہلے سے موجود ہو۔ تمہارے چہرے پر کام کی تھکن کی بجائے تازگی ہو اور یہ تازگی مجھے بھی تروتازہ کردے۔"

بابرہ نے احسن کی بات فوراً مان لی تھی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لائبہ کے پیدا ہونے کے بعد بابرہ کو گھر کی ذمے داری بڑھتی محسوس ہورہی تھی۔

لائبہ اس پھول سی بچی کا نام تھا جس نے ان کے گھر کو رونق اور رنگ بخشے تھے وہ بہت پیاری تھی' توتلی زبان میں جب وہ پاپا دان کہہ کر اس سے لپٹی تھی تو احسن کے رگ و پے میں نئی زندگی دوڑ جاتی تھی۔

احسن نے ایک شاندار گھر طارق کے گھر کے قریب ہی لے لیا تھا۔ طارق کی ایک بچی لائبہ کی ہم عمر تھی۔ بچے سارا دن مل جل کر کھیلتے تھے...... دونوں گھرانے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔

بابرہ انگریز ہونے کے باوجود ایک اچھی بیوی ثابت ہورہی تھی وہ احسن سے محبت بھی کرتی تھی لیکن اس محبت میں رومانس کی بجائے حقیقت کا عنصر نمایاں تھا۔ یہ ویسی ہی محبت تھی جو بھوکے کو روٹی سے ہوتی ہے' تھکے ہوئے جسم کو بستر سے اور ٹھٹھرتے شخص کو آتش دان سے ہوتی ہے۔ یہ محبت نہیں تھی شاید ضرورت ہے...... ضرورت میں لطافت نہیں ہوتی' کثافت ہوتی ہے اس میں گیت نہیں ہوتے' کلیوں کی مہک نہیں ہوتی اور وہ میٹھا میٹھا درد بھی شاید نہیں ہوتا جو کبھی آنکھوں کو آنسو دیتا ہے اور کبھی ہونٹوں کو مسکانیں۔ احسن بابرہ کے ساتھ بس جی رہا تھا۔ اس جینے کو اچھا کہا جاسکتا تھا نہ برا...... کبھی کبھی جب رات کی تنہائی میں ریشمی لمس اس کے جسم سے چھوتا تھا اور گردن سے گرم سانسیں ٹکراتی تھیں تو کوئی اس کے کان کے بالکل قریب سرگوشی کرتا تھا مجھے بھول گئے میری محبت کو بھول گئے...... اس کمرے کو بھی بھول گئے جو یہاں سے ہزاروں میل دور میری اور تمہاری راہ تکا کرتا ہے' ہاں وہی کمرا جس کی ایک دیوار پر "اتار لی جانے والی تصویر" کا نشان ہے۔

ایسے میں احسن کا جسم بالکل سرد ہوجاتا۔ وہ برف کا بلاک بن جاتا۔ بابرہ اسے بانہوں میں لیتی اسے بھینچتی اس کے اندر آگ جگانے کی کوشش کرتی لیکن ایسے وقفوں میں تو وہ وہاں ہوتا ہی نہیں تھا وہ بہت دور ہوتا تھا...... بہت دور لاہور کی خوبصورت

نہر کے کنارے‘ شفاف سڑک پر‘ چمکیلی گاڑی میں کوئی اس کے ساتھ ہوتا تھا وہ دونوں گیت سنتے‘ سرگوشیاں کرتے چلتے چلے جاتے تھے۔

وہ کسی کو بھول کر بھی بھولا نہیں تھا‘ کسی سے دور جا کر بھی دور نہیں ہوا تھا۔ یہ کیسا ناتا تھا جو ٹوٹ کر بھی نہیں ٹوٹتا تھا۔ یہ کیسا آسیب تھا جس نے کبھی بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ شب و روز کے سیاہ و سفید پنچھی‘ نیلے آسمانوں پر ایک دوسرے کے پیچھے لپکتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی نئے سانچوں میں ڈھلتی رہی۔ نت نئے واقعات یادوں کی شکل میں ڈھلتے رہے‘ ڈھل کر پرانے ہوتے رہے‘ ان کی جگہ نئے واقعات لیتے رہے۔ پاکستان سے احسن کا تعلق اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ دو سال پہلے والدہ اس کے پاس انگلینڈ آ گئی تھیں۔ یہیں پر ان کا انتقال بھی ہوا۔ بھائی اکبر لاہور سے کویت چلے گئے تھے وہاں انہوں نے فرنیچر اور لکڑی کا دیگر کام شروع کر دیا تھا وہ اپنی زندگی میں مگن تھے۔ ان سے بس کبھی کبھار ہی فون پر بات ہوتی تھی۔ اپنی شادی کے تقریباً چودہ سال بعد بابرہ اچانک بستر سے لگ گئی۔ پہلے اس کے بائیں بازو میں شدید درد ہوا پھر ایک دن بے ہوشی طاری ہو گئی اسے اسپتال پہنچایا گیا‘ معلوم ہوا کہ وہ دل کے عارضے میں مبتلا ہو گئی ہے۔ عارضۂ دل کی بڑی وجہ پریشانیاں اور دکھ ہوتے ہیں۔ بابرہ تو بڑی خوش باش اور متوازن زندگی گزار رہی تھی۔ پھر وہ یہ روگ کیسے لگا بیٹھی تھی۔

لندن میں ہر طبی سہولت موجود تھی لیکن شفا تو قدرت کی طرف سے ہوتی ہے احسن نے بابرہ کے علاج معالجے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ پاؤنڈز اور ڈالر پانی کی طرح بہا دیے اب وہ کوئی معمولی شخص نہیں تھا اور ینٹل فرنیچر اسٹورز کی ”چین“ کا مالک تھا۔ انگلینڈ کے چار شہروں میں اس کے ایک درجن سے زائد شوروم تھے یوں لگتا تھا کہ سرمایہ خود بخود اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

بابرہ کا حال کچھ اس مصرعے کے مصداق تھا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ڈاکٹروں کے خیال میں بابرہ کو ایک مشکل سرجری کی ضرورت تھی، مگر اس کی جسمانی حالت... فی الوقت اس سرجری کی اجازت نہیں دیتی تھی وہ لندن کے ایک مہنگے اسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ کمرے کی کھڑکیاں پھولوں سے لدے ہوئے ایک خوبصورت لان میں کھلتی تھیں۔ احسن دیر تک بابرہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھا رہتا۔ دونوں باتیں کرتے رہتے احسن کی کنپٹیاں اب سفید ہو چکی تھیں لیکن وہ فربہ نہیں ہوا تھا۔ بابرہ تھوڑی سی فربہ ہو گئی تھی۔ احسن کی طرح بابرہ بھی پڑھنے کے لیے عینک استعمال کرتی تھی۔ بابرہ نے کبھی بھی احسن سے کچھ چھپایا نہیں تھا۔ احسن کو اب اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ تقریباً سترہ سال پہلے جو پاکستانی لڑکا ٹریفک کے حادثے میں ہلاک ہوا تھا‘ وہ بابرہ کا دوست ہی نہیں اس کا پریمی بھی تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے مگر اس سے پہلے کہ ان کی چاہت کسی نتیجے پر پہنچتی اور وہ دونوں اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے کی طرف بڑھتے موت نے ان دونوں کو جدا کر دیا۔ وقت سے بڑا مرہم کوئی نہیں لیکن زخموں کے نشان تو رہ جاتے ہیں۔ بابرہ کے دل پر بھی یہ نشان موجود تھا۔ احسن نے اس نشان کے ساتھ سمجھوتا کیا تھا بالکل جیسے بابرہ نے احسن کے نشان کے ساتھ سمجھوتا کیا تھا۔ اس نے احسن سے کئی بار عنبرین کے بارے میں پوچھا تھا‘ وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی اس سے باتیں کرنا چاہتی تھی...... ایک بار تو وہ عنبرین سے ملنے کے لیے پاکستان جانے کو تیار ہو گئی تھی۔ اس نے بہانہ بنایا تھا کہ وہ اپنی دوستوں کے ساتھ پاکستان کے شمالی علاقہ جات دیکھنا چاہتی ہے۔ بہرحال احسن کسی نہ کسی طرح اسے روکنے میں کامیاب رہا تھا۔

اور اب...... اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر ایک لمبی سیاحت پر جانا چاہتی ہے لیکن اس بار...... بالکل تنہا اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پچھلے پانچ چھ روز میں بہت نمایاں ہو گئے تھے۔ دل کا روگ اپنا کام دکھا رہا تھا۔ جگر اور گردے دونوں اہم اعضا اپنے اپنے افعال ٹھیک طور سے انجام نہیں دے رہے تھے وہ احسن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے تھامے بولی ”ایک حسرت دل میں رہ گئی ہے کاش اس چہرے کو دیکھ سکتی جس سے تم اتنی محبت کرتے ہو۔“

”کک...... کون محبت کرتا...... کس سے؟“ وہ گڑبڑا گیا۔

”تم کرتے ہو...... اس سے جو پاکستان میں رہ گئی ہے۔“

وہ گہری سانس لے کر سنجیدگی سے بولا ”وہ سب کچھ اب ماضی کا حصہ ہے بابرہ...... کوئی اور بات کرو پلیز۔“

”ماضی انسان سے جدا تو نہیں ہوتا ڈارلنگ۔“ وہ عجیب لہجے میں بولی۔

وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بابرہ کی آنکھوں کے گوشے نم تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا‘ بابرہ نے اس کا ہاتھ دبایا اور بولی ”اگر زندگی میں کبھی اس سے ملاقات ہوئی تو اسے میرا سلام ضرور کہنا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم پر ٹرنکولائزر اثر کر رہی ہے۔ تمہاری پلکیں بوجھل ہو رہی ہیں۔“ احسن نے کہا اور کھڑکی کی پردے کھینچ دیے۔

ٹھیک تین دن بعد وہ رخصت ہو گئی۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس کا آپریشن کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ کر رہی تھی کہ وہ ہر فیصلے سے آزاد ہو گئی دل کا دورہ اتنا شدید تھا کہ وہ

چند منٹ میں ختم ہو گئی۔

جیون ساتھی کے چھوٹ جانے کا غم بڑا شدید تھا لیکن یہ غم کسی نہ کسی طور تو احسن کو جھیلنا ہی تھا۔ وہ کئی ہفتوں تک اس غم سے دست و گریباں رہا، کاروبار تو دور کی بات ہے اسے اپنے آپ کا ہوش نہیں تھا۔ اس موقعے پر طارق بٹ اور اس کے اہل خانہ نے توقع سے بڑھ کر اس کا ساتھ دیا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ سنبھلنے لگا زندگی پھر سے اسے اپنی طرف بلانے لگی۔ روزمرہ کے معمولات پھر سے اپنے تقاضے لے کر حاضر ہو گئے۔

لائبہ پہلے ہی احسن سے بہت وابستہ تھی‘ بابرہ کی موت کے بعد یہ وابستگی اور محبت مزید بڑھ گئی۔ باپ کی محبت میں اب ماں کی محبت بھی سمٹ آئی تھی، بابرہ کی موت کے بعد لائبہ کو نارمل کرنے کے لیے احسن اسے لے کر یورپ کے دورے پر نکل گیا۔ لائبہ اب ایک تیرہ سالہ نوخیز لڑکی تھی اور ہائی اسکول کی طالبہ تھی۔ وہ انگریزی‘ اردو اور فرانسیسی تینوں زبانیں روانی سے بولتی تھی۔ باپ بیٹی فرانس‘ جرمنی ہنگری سمیت کئی ممالک میں گھومے اور بچھڑنے والی کا غم بھولنے کی کوشش کی...... وہ تین ہفتے کے دورے پر نکلے تھے پھر یہ دورہ پانچ ہفتے تک وسیع ہو گیا۔ لائبہ کے لیے یہ بادہ پیمائی واقعی سودمند ثابت ہوئی، پانچ ہفتے مکمل ہو گئے تو احسن نے لائبہ سے کہا ”چلو بیٹا! اب گھر چلیں۔“

”نہیں پاپا تھوڑا سا اور بس ایک ہفتہ۔“ وہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر تقریباً جھول گئی۔

وہ دونوں فرینکفرٹ شہر کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی بالکونی میں بیٹھے تھے اور شہر اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت حد نگاہ تک ان کے سامنے بچھا ہوا تھا۔

احسن نے بیٹی کی پیشانی چومتے ہوئے کہا ”لیکن لائبی! تمہاری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے ایک سمسٹر تو نکل گیا ہے‘ اب دوسرا بھی نہ نکل جائے۔“

اچانک موبائل کی گھنٹی بجی‘ احسن نے جیب سے فون نکال کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف اس کا سنیئر منیجر اشفاق درانی تھا۔ وہ لندن کے آفس میں کچھ کاروباری مسائل لے کر بیٹھا ہوا تھا اور اسے احسن کی سخت ضرورت تھی۔ اشفاق درانی سے بات کرنے کے بعد احسن سنجیدہ نظر آنے لگا۔ جب وہ فون سن رہا تھا تو لائبہ اس کی پشت پر تقریباً لدی ہوئی تھی۔ احسن نے آہستگی سے اسے پیچھے ہٹایا اور اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے بولا ”لائبی! ہمارا منیجر اشفاق آدھا پاگل ہو چکا ہے اگر میں آفس سے دو چار دن مزید دور رہا تو وہ فل پاگل ہو جائے گا، کیا تم چاہتی ہو کہ ایک اچھا بھلا بال بچے دار بندہ ہم دونوں کی وجہ سے پاگل ہو جائے اور اسے دماغی اسپتال میں جمع کرانا پڑے۔“

”لیکن پاپا......“ لائبہ جھکی۔

احسن اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا ”پرسوں تمہارے انکل طارق کا فون بھی آیا تھا ان کا کہنا ہے کہ ہماری واپسی اب بہت ضروری ہو گئی ہے۔ اگر مزید دیر ہو گئی تو پرابلمز بڑھ جائیں گے اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو انکل طارق سے خود بات کر لو۔“

لائبہ کچھ ڈھیلی نظر آنے لگی احسن نے اسے سمجھایا بجھایا اور نیم رضامند کر لیا دو دن بعد وہ لوگ واپس روانہ ہو رہے تھے۔

مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ وقت بہت تیز رفتاری سے قدموں کے نشان مٹانے لگتا ہے اور نشان مٹ رہے تھے۔ چار چھ ماہ کے بعد ہی سب کچھ معمول پر آنے لگا۔ احسن کی کاروباری مصروفیت یوں بھی بڑھ چکی تھی کہ اس نے طارق بٹ کے کاروبار میں بھی کچھ سرمایہ کاری کی تھی کچھ نہ کچھ وقت اسے ہوٹل کے لیے بھی دینا پڑتا تھا۔

بابرہ کے انتقال کے بعد اسے گھر اور کاروبار میں توازن قائم رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ اگر کام پر زیادہ توجہ دیتا تھا تو لائبہ ناراض ہوتی تھی۔ اگر لائبہ کو اس کی خواہش کے مطابق وقت دیتا تو کام کا حرج ہو جاتا تھا۔ وہ کبھی کبھی خود کو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان محسوس کرتا تھا۔ اس کی زندگی کی ساری دلچسپی اب لائبہ میں سمٹ آئی تھی۔ وہ اپنی لاڈلی کو چند لمحوں کے لیے بھی نگاہ سے اوجھل کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن حالات کی مجبوری تھی کہ اسے بعض اوقات تین تین دن گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ کام کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی۔

لائبہ اسکول کی ڈرامیٹک سوسائٹی کی ممبر تھی اور سوسائٹی کے اسٹیج ڈراموں اور ٹیبلوز وغیرہ میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیتی تھی۔ وہ آرٹس کی طرف میلان رکھتی تھی اور ایکٹنگ اسکول میں داخل ہونے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ احسن کے نزدیک یہ غیر سنجیدہ رویہ تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ لائبہ ایم بی اے کی طرف جائے۔ وہ ایک بڑے کاروبار کی اکلوتی وارث تھی۔ اگر وہ بزنس کو اسٹڈی کرتی تو مستقبل میں اس کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہو سکتی تھی۔ وہ ابھی بچی تھی اس کے ذہن کو مولڈ کیا جا سکتا تھا۔ احسن بڑے محتاط انداز میں اسے سمجھاتا رہتا تھا وہ اسے اور ینٹل فرنیچرز کی مختلف شاخوں کے دورے کراتا۔ متعلقہ لوگوں سے ملاتا اور لائبہ کو اس شان و شوکت سے متعارف کراتا جو اس کاروبار کے حوالے سے ان کے حصے میں آئی تھی۔

کرسمس کے موقع پر پکاڈلی سرکس کے قریب اتفاقاً احسن کی ملاقات پاکستان سے آئے ہوئے دو دوستوں کے ساتھ ہو گئی۔ یہ حضرات بھی احسن ہی کی طرح فرنیچر کے کاروبار سے منسلک تھے۔ احسن ان دونوں کو گھر لے آیا اور وہ پورا ایک دن اس کے ساتھ رہے۔ ان دوستوں کی زبانی احسن کو لاہور کے

حالات کے بارے میں جہاں اور بہت کچھ معلوم وہاں عنبرین کے بارے میں بھی ایک دو باتیں پتہ چلیں۔ عنبرین کا شمار اب پاکستان کے گنے چنے ڈاکٹرز میں ہو رہا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے گائنی سینٹر کی مالک اور ایم ایس تھی۔ پچھلے آٹھ دس برسوں میں کئی بڑی بڑی کامیابیاں عنبرین کے حصے میں آئی تھیں اور اس کا شمار ممتاز شخصیات میں ہوتا تھا۔

عنبرین کا سماجی خدمات اور رفاہی کاموں کے بارے میں ایک سال پہلے بھی ایک آرٹیکل احسن کی نظروں سے گزرا تھا۔ یہ آرٹیکل لندن کے ایک انگلش میگزین میں شائع ہوا تھا۔ احسن نے آرٹیکل کی بس سرخیاں دیکھی تھیں۔ متن پڑھنے کی زحمت اس نے نہیں کی تھی لیکن آج دیرینہ دوستوں سے ہونے والی ملاقات میں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی عنبرین کے بارے میں گفتگو سن رہا تھا۔ اپنے دوستوں کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ عنبرین تنہا زندگی گزار رہی ہے۔ اس کے والد ایک سال پہلے وفات پا چکے ہیں، اب وہ والدہ کے پاس رہتی ہے۔ لاہور کے مہنگے ترین علاقے ڈیفنس میں عنبرین کی بہت بڑی کوٹھی بھی موجود تھی لیکن وہ خالی پڑی رہتی ہے۔

اس موقعے پر احسن کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے دوست امجد سے پروفیسر عادل کے بارے میں پوچھے...... لیکن خواہش کے باوجود یہ سوال اس کی زبان پر نہ آسکا۔ ان دوستوں کے ساتھ احسن کی ملاقات مختصر ہی رہی۔ لاشعوری طور پر وہ ہر اس خبر اور ہر اس شخص سے کنی کتراتا تھا جو اسے عنبرین کے حوالے سے باخبر کر سکتا تھا۔

☆☆☆

کرسمس کے موقعے پر کام بہت بڑھ جاتا تھا۔ احسن کوشش کے باوجود لائبہ کو خاطر خواہ وقت نہ دے سکا۔ کرسمس ایوننگ کو وہ گھر میں بیٹھی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ احسن رات کو نو بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس وقت تک لائبہ کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔ ماں کی وفات کے بعد وہ کچھ زیادہ ہی زود رنج ہو گئی تھی۔ اس کی عمر اب چودہ سال کے لگ بھگ تھی لیکن جب روتی تھی تو بالکل بچی نظر آنے لگتی تھی۔ احسن نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

پھر وہ دونوں انکل طارق کے گھر چلے گئے تھے اور رات گئے تک وہیں رہے تھے۔ احسن کو رہ رہ کر اپنے رویے پر افسوس ہو رہا تھا۔ یہ جو کچھ تھا زیادہ مصروفیت کی وجہ سے تھا۔ پاکستان میں احسن نے ایک آسان اور غیر فعال زندگی گزاری تھی فراغت ہی فراغت تھی۔ اس وقت اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مصروفیت کے کیا کیا وبال ہوتے ہیں۔

اب اگلا تہوار یعنی ہیپی نیوائر کی شام آنے والی تھی۔ صبح جب احسن آفس جانے کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو لائبہ نے اس کے رومال میں گرہ باندھ دی ”پاپا یاد ہے ناں، شام آٹھ بجے آپ کو گھر ہونا چاہیے۔“

”بے فکر رہو میرے بچے ایسا ہی ہوگا۔“ احسن نے اس کا سر چوم کر اس کا سرخ ربن درست کرتے ہوئے کہا۔

”آپ جب بھی میرا سر چوم کر اس طرح وعدہ کرتے ہیں وہ کبھی پورا نہیں ہوتا یاد ہے ناں کہ پچھلے مہینے کے دوسرے ویک اینڈ پر آپ نے مجھے مانچسٹر لے جانے کا کہا تھا اور پھر اکیلے ہی فلائی کر گئے تھے۔“

”اس غلطی پر ہم نے اپنے بیٹے سے ایک سو دس دفعہ معافی بھی تو مانگی تھی۔“ احسن نے ہنستے ہوئے کہا ”اگر کہتی ہو تو پھر مانگ لیتے ہیں۔“

”اچھا اب چھوڑیں یہ باتیں، پورے آٹھ بجے آجانا ہے آپ کو۔“ لائبہ نے اس کا چشمہ صاف کر کے اس کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

شام کو ایک آرڈر کی ڈلیوری میں احسن ایسا مگن ہوا کہ اسے کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ اچانک گھڑی پر نظر پڑی تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ ہٹپٹا کر رہ گیا۔ اس نے اپنا کام اشفاق درانی کے سپرد کیا اور بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ لائبہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے پہلے تو تھوڑی سی ناراضگی دکھائی پھر اپنے پاپا کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھی۔ پروگرام کے مطابق ان دونوں کو پہلے ایک سیمینار میں شریک ہونا تھا۔ یہ سیمینار دراصل ایک رنگارنگ نمائش کا حصہ تھا یہ نمائش کلاسیکل فرنیچر اور وڈ ورکس کے حوالے سے منعقد ہوئی تھی۔ نمائش دیکھنے کے بعد انہیں ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کرنا تھا...... پھر گرین لائٹ کلب پہنچنا تھا۔ یہاں طارق بٹ کی فیملی کے علاوہ دیگر دوست احباب نے بھی جمع ہونا تھا اور نئے سال کی جوش و خروش کے ساتھ خوش آمدید کہنا تھا۔

نمائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے احسن اور لائبہ میں تبادلہ خیال بھی جاری تھا۔ لائبہ پاپا کے کندھے مارتے ہوئے بولی ”اسی لیے کہتی ہوں پاپا کہ کاروبار میں بندہ مشین بن کر رہ جاتا ہے بالکل روبوٹ ہو جاتا ہے۔ آرٹ میں نرمی اور لچک ہوتی ہے تخیل ہوتا ہے۔“

”لیکن بیٹا جی! یہ تو کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ جو بندہ بزنس پڑھ رہا ہو وہ آرٹ نہیں پڑھ سکتا۔ تمہیں آرٹ پڑھنے کے لیے بہت وقت ملے گا اور پھر بیٹا جی! تم کاروبار ویسے تھوڑا کرو گی جیسے تمہارا پاپا کرتا ہے۔ تمہارے کام کرنے کا اپنا انداز ہوگا، تم جدید انداز میں نظم و ضبط سے کام کرو گی اور تمہاری الجھنیں کم سے کم ہوں گی۔“

گاڑی لندن کی جگمگاتی سڑکوں پر پھسلتی رہی اور وہ مصروف گفتگو رہے۔ آخر وہ نمائش گاہ پہنچ گئے یہاں احسن کے بہت سے ہم پیشہ پاکستانی اور انڈین حضرات موجود تھے۔ وہ کسی نہ کسی حوالے سے احسن کو پہچانتے تھے۔ نمائش گاہ میں احسن کی پزیرائی اس کی توقع سے کہیں زیادہ ہوئی۔ اسے لندن کے نہایت کامیاب فرنیچر مرچنٹ کی حیثیت سے متعارف کرایا جاتا رہا۔ وہ سیمینار میں صرف بیٹھنے اور دو چار تقریریں سننے کے لیے آیا تھا اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ ”چاہنے والے“ اسے بھی ایک مختصر تقریر پر مجبور کر دیں گے۔ احباب کے بے حد اصرار کے سامنے اسے سر جھکانا پڑا۔ اس کی تقریر ختم ہوئی تو تالیوں کی آواز حوصلہ افزا تھی۔ تقریر کے بعد ہم پیشہ پاکستانی اور انڈین افراد نے اسے گھیر لیا۔

اورینٹل فرنیچرز کی روز افزوں ترقی متاثر کن تھی احسن کے ہم پیشہ مجبور ہو رہے تھے کہ احسن کی باتیں سنیں اور اس کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ وہ اسے اصرار کے ساتھ بیک اسٹیج پر لے گئے یہاں کھانے پینے کا خصوصی انتظام موجود تھا...... بڑی گرما گرم اور سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ انگلینڈ میں مشرقی انداز کے فرنیچر کی پزیرائی پر تبادلہ خیال ہوا۔ خام مال کے حصول اور سیل کی پروموشن جیسے موضوعات زیر بحث آئے۔ اس گفتگو کے درمیان اچانک احسن بری طرح چونک گیا وہ کچھ دیر کے لیے بھول ہی گیا تھا کہ وہ یہاں اکیلا نہیں آیا اس کے ساتھ اس کی گڑیا سی بیٹی بھی ہے وہ اسے ہال میں چھوڑ کر اسٹیج کی طرف چلا آیا تھا اور اب اس واقعے کو ایک گھنٹے سے اوپر وقت گزر چکا تھا۔

وہ میزبانوں سے معذرت کر کے تیزی سے ہال میں پہنچا ہال اب تقریباً خالی نظر آرہا تھا بس مختلف گوشوں میں بیس پچیس افراد ٹولیوں کی شکل میں کھڑے تھے۔ لائبہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ احسن کو مین دروازے کے قریب ایک شناسا شکل نظر آئی۔ یہ مسٹر جانسن ان کے پڑوسی تھے ”آپ نے لائبہ کو دیکھا ہے؟“ احسن گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

مسٹر جانسن سگار کا کش لیتے ہوئے مسکرائے ”وہ کافی دیر آپ کا انتظار کرتی رہی پھر گھر واپس چلی گئی۔“

”کس کے ساتھ؟“

”میری بیوی اور بھتیجی کے ساتھ...... وہ دونوں بھی گھر جا رہی تھیں، میرے اندازے کے مطابق وہ تینوں اب تک پہنچ چکی ہوں گی۔“

مسٹر جانسن نے موبائل پر اپنے گھر رابطہ کیا اور چند سیکنڈ تک بات کرنے کے بعد احسن کو بتایا کہ وہ تینوں گھر پہنچ چکی ہیں۔

احسن کو اپنی غائب دماغی اور بے جا مصروفیت پر سخت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لائبہ بہت خفا ہوگی وہ سنگین غفلت کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے اسی وقت گاڑی پکڑی اور گھر روانہ ہو گیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے اچانک احسن کے ذہن میں جھماکا سا ہوا وہ چند لمحے کے لیے مبہوت سا رہ گیا۔ اسے یاد آیا کہ ایسا ہی ایک واقعہ...... ہاں بالکل ایسا ہی ایک واقعہ...... ایک دفعہ پہلے بھی ہو چکا ہے بہت عرصہ پہلے وہ کوئی اور جگہ تھی وہ کوئی اور موقع تھا...... لوگ بھی کوئی اور تھے لیکن سچویشن یہی تھی...... وہ لاہور کی بات تھی الحمرا ہال میں ”پاکستان کی کم سن مائیں“ کے عنوان سے ایک مذاکرہ تھا اس تقریب میں عنبرین نے بھی ایک تقریر کی تھی۔ اس کی تقریر کے بعد ہال دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا تھا تقریب کے مہمان خصوصی نے عنبرین کو تقریب کے بعد بیک اسٹیج پر بلا لیا تھا۔ وہ اپنے مداحوں میں گھری بیک اسٹیج پر چلی گئی تھی اور دیر تک وہاں رہی تھی۔ احسن ڈاکٹروں کے اس ہجوم میں اجنبیوں کی طرح ایک گوشے میں کھڑا ہو گیا تھا۔ آدھ پون گھنٹا عنبرین کا انتظار کرنے کے بعد وہ مایوسی کے عالم میں گھر واپس آگیا تھا۔

واقعہ وہی تھا لیکن کردار بدلے ہوئے تھے۔ مصروف عنبرین کی جگہ یہاں مصروف احسن نے لی تھی، منتظر احسن کی جگہ آج منتظر لائبہ تھی۔

ایک دم احسن کی نگاہوں کے سامنے ایک کھڑکی سی کھل گئی۔ اسے یوں لگا کہ بہت سی چیزیں جواب تک اس کی نگاہوں سے اوجھل تھیں ایک دم نظر آنے لگی ہیں۔ سب سے پہلے جس چیز پر احسن کی نگاہ پڑی وہ ایک مصروف انسان کی مجبوریاں تھیں۔ احسن کو اندازہ ہوا کہ مصروفیت اور ذمے داری کے کچھ اٹل تقاضے ہوتے ہیں جواب تک اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ یہی تقاضے تھے شاید یہی تقاضے تھے جنہوں نے آج سے اٹھارہ برس پہلے عنبرین کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ ان دنوں احسن تقریباً فراغت کی زندگی گزارتا تھا۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ ذمے داری کا عفریت کس طرح انسان کو جکڑتا ہے۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے احسن کا ذہن بھی سرپٹ دوڑنے لگا...... وہ پچھلے چار پانچ سال کے واقعات یاد کرنے لگا۔ سوچنے لگا کہ لائبہ سے بے پناہ محبت رکھتے ہوئے بھی وہ اپنے ذمے داریوں کے سبب لائبہ سے دور رہنے پر کس طرح مجبور ہے وہ ہر روز اپنی کوتاہیوں کا مداوا کرنے کے بارے میں سوچتا ہے اور ہر روز اس سے نئی کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کسی وقت نہ چاہتے ہوئے بھی وہ لائبہ سے تلخ ہو جاتا ہے...... نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دل شکنی کرتا ہے پھر پہروں خود کو کوستا ہے لیکن اپنی سخت مصروفیت کے سبب اس گورکھ دھندے سے نکل نہیں سکتا تو کیا عنبرین بھی...... عنبرین بھی اسی LOOP کا

شکار تھی اسی گورکھ دھندے میں الجھی ہوئی تھی۔
وہ سوچتا رہا اور اس کے ذہن میں نئی نئی پرتیں کھلتی رہیں۔
اسے محسوس ہوا کہ مصروفیت کے بوجھ تلے دبے ہوئے افراد روز مرہ کے معمولات میں ایک جدا قسم کا رویہ اپنانے پر مجبور ہوتے ہیں...... اور اس رویے کے لیے وہ معاف کیے جانے کے اہل ہوتے ہیں شاید عنبرین بھی اس طرح معاف کیے جانے کی اہل تھی۔
وہ سوچتا رہا اور آگاہی کے کچھ ان دیکھے در اس کے سامنے کھلتے رہے۔ کئی حقیقتیں بہت دیر کے بعد سمجھ میں آتی ہیں اور تب سمجھ میں آتی ہیں جب انسان خود ان کا تجربہ کرتا ہے۔ احسن کو بھی ذاتی تجربوں کے ذریعے کچھ نئی چیزوں کا ادراک ہو رہا تھا اور پھر اچانک احسن کا دھیان ایک اور جانب چلا گیا۔ اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر نہ ہوتے تو شاید وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔ پتا نہیں کہ ان لمحات میں کیسی خود آگاہی چھپی ہوئی تھی۔ ایک کے بعد دوسری حقیقت آشکار ہو رہی تھی۔ اس کا پاؤں جیسے خود بخود ایکسیلریٹر سے اٹھ گیا۔ گاڑی کی رفتار آہستہ ہوئی احسن نے گاڑی کو سروس روڈ پر کیا اور پھر ایک جگہ رک گیا۔ اس کے دماغ میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی کچھ دیر کے لیے شاید وہ ڈرائیونگ کرنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ایک باپ کی حیثیت سے وہ اپنی پیاری بیٹی کے مستقبل کے لیے کتنا فکرمند ہے۔ اس کے اچھے مستقبل کے لیے اس نے کیسے کیسے خواب بنے ہوئے ہیں اور ان خوابوں کو تعبیر دینے کے لیے وہ کیا کیا جتن کر رہا ہے وہ لائبہ کو ایک اچھی بزنس ایڈمنسٹریٹر بنانے پر تلا ہوا ہے اور اس کے لیے ہر ممکن حد تک جانے کو تیار ہے۔
اگر ایک باپ کی حیثیت سے وہ لائبہ کے مستقبل کے لیے ان تھک کوششیں کر سکتا ہے تو کیا اٹھارہ سال پہلے عنبرین کے باپ کو یہ حق حاصل نہیں تھا؟ کیا وہ اپنی اولاد کے لیے خواب نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر اس کے ذہن نے غیر ارادی طور پر کوئی تاج محل بنا لیا تھا تو کیا کوئی گناہ کیا تھا؟ کیا کوئی گناہ کیا تھا؟
وہ سوچتا رہا اور اس کی پیشانی پسینے سے تر ہوتی رہی...... واقعی کئی باتیں بڑی آسان ہوتی ہیں لیکن بڑی دیر سے سمجھ میں آتی ہیں یا شاید ہر بات کے ابلاغ کے لیے اور ہر انقلاب کے لیے قدرت کی طرف سے کوئی خاص وقت مقرر ہوتا ہے۔
احسن نے کانپتے ہاتھوں سے سگریٹ سلگایا اور نشست کی پشت سے ٹیک لگا کر کچھ نیچے کو کھسک گیا۔ یہ لندن کی ایک مصروف شاہراہ تھی نئے سال کو خوش آمدید کہنے کے لیے منچلوں کی ٹولیاں سڑکوں پر نکلنا شروع ہو گئی تھیں۔ آرائشی روشنیوں سے جگمگاتے بازار بارونق ہوتے جا رہے تھے' قریب ہی کسی ریسٹورنٹ کے اندر سے پر جوش موسیقی کی آواز بلند ہو رہی تھی لیکن احسن اس گہما گہمی سے کوسوں دور تھا۔ زمان و مکان اس کے لیے بہت پیچھے چلے گئے تھے وہ سترہ اٹھارہ سال پہلے کے لاہور میں تھا اپنے گھر کے بیڈروم میں بیٹھا تھا۔ کھڑکی میں سے ایک اداس شام دھیرے دھیرے کمرے میں اتر رہی تھی وہ اپنی ڈائری لکھ رہا تھا وہ لکھ رہا تھا اپنی اور عنبرین کی جدائی کے بارے میں بہت سوچتا ہوں۔ اس جدائی کی کئی وجوہات ہیں لیکن دو اہم وجوہات ایسی ہیں جو ہر بار ذہن میں آتی ہیں اور دل چیر دیتی ہیں۔ ان دونوں وجوہات کا تعلق عنبرین سے ہے۔ اس نے اپنی ازدواجی زندگی کو اپنی بے پناہ مصروفیت کا زہر پلایا' اپنے پروفیشن کو اس نے اپنے گھر اور شوہر پر ترجیح دی۔ اس کا شوہر چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے ترستا رہا اور وہ اپنا اسٹیتھسکوپ گلے میں لٹکائے...... اپنا سفید کوٹ پہنے اپنے ہم کاروں کے ساتھ مگن رہی ہمارے جدائی کی دوسری اہم وجہ عنبرین اور اس کے پاپا جانی کا انتہائی جذباتی تعلق تھا۔ پاپا جانی نے بیٹی کی شادی نہیں کی تھی بس شادی کی خانہ پری کی تھی وہ شادی کے بعد بھی سرتاپا ان کی ملکیت تھی اس کا ہر قول و فعل اپنے پاپا جانی کی اجازت اور آشیرباد کا محتاج تھا وہ اسے ایک بہت بڑی ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے اور اپنی یہ خواہش شاید انہیں اپنی بیٹی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔
وہیں سڑک کنارے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے' برسوں پہلے اپنی ڈائری میں لکھے گئے یہ الفاظ احسن کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے وہ سوچ رہا تھا' عنبرین کے رویے میں جن دو سنگین غلطیوں کی نشاندہی وہ کرتا رہا ہے وہ دونوں غلطیاں تو آج اس میں بھی موجود ہیں۔ ایک مصروف زندگی اپنانے کے بعد وہ اپنی عزیز ترین ہستی (لائبہ) کو وہ توجہ اور محبت نہیں دے پا رہا ہے جو اسے دینی چاہیے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لائبہ سے محبت ہی نہیں کرتا۔
عنبرین پر دوسرا الزام وہ یہ دھرتا تھا کہ وہ اپنے پاپا جانی کی ہدایات کے مطابق چلتی ہے تو کیا وہ خود آج اپنی بیٹی کو اپنی ہدایات پر نہیں چلا رہا وہ بھی تو رات دن لائبہ کے بارے میں سوچتا ہے اس کے مستقبل کی پلاننگ کرتا ہے' اس کے لیے حسین خواب دیکھتا ہے یہ تو وہی "گناہ" تھا جو عنبرین اور اس کے پاپا جانی کر رہے تھے اور پھر ایک تیسری بات بھی تو تھی۔ کبھی کبھی اس کے ذہن میں ڈاکٹر عادل کے حوالے سے شک ابھرتا تھا یہ موہوم شک ہوتا تھا لیکن ہوتا تھا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوچنے لگتا تھا کہ کہیں عنبرین اس کی بجائے ڈاکٹر عادل کے ساتھ تو...... زندگی گزارنا نہیں چاہتی؟ آج اتنے عرصے بعد یہ ثابت ہو چکا تھا کہ یہ شک بے بنیاد ہے۔ عنبرین یکسر تنہا زندگی گزار

رہی تھی۔
"اوہ مائی گاڈ......اوہ مائی گاڈ۔" وہ بے اختیار بڑبڑانے لگا۔

یہ آج وہ خود کو کس مقام پر کھڑا دیکھ رہا تھا اسے لگا جیسے اس کے سامنے ونڈ اسکرین نہیں ایک آئینہ ہے۔ اس آئینے میں وہ اپنا اصل رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا اور دنگ ہو رہا تھا آج برسوں بعد اس کے سینے میں کچھ پگھلا تھا کچھ حرکت میں آیا تھا شاید یہ وہ کہنہ برف تھی جس نے برسوں سے اس کی دھڑکنوں کو منجمد کر رکھا تھا۔ ہزار کوششوں کے باوجود یہ برف نہیں پگھلی تھی لیکن آج پتا نہیں یہ کیسی گھڑیاں تھیں، سال کے ان آخری گھنٹوں میں اس جگمگاتی سڑک کے اس بے نام گوشے میں، اس پرشور ریسٹورنٹ کی عین سامنے یہ برف پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔ برف پگھلنے کا موسم ہوتا ہے لیکن دل کی برف پگھلنے کا شاید کوئی موسم نہیں ہوتا ......ہاں ......کچھ پگھل رہا تھا کچھ حرکت میں آ رہا تھا وہ دم بخود بیٹھا تھا وہ شاید یہاں تھا ہی نہیں وہ بہت دور تھا ایک چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا دو آنکھیں رو رہی تھیں۔ دو ہونٹ سسک رہے تھے، مجھے بھول گئے؟ میری محبت کو بھول گئے؟ اس خالی دیوار کو بھول گئے جہاں سے تصویر اتار لی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد احسن جیسے ہوش میں آیا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر میں لائبہ کا رو رو کر برا حال ہو چکا تھا۔ لائبہ کی شدید ناراضگی دور کرنے میں اسے تقریباً ایک گھنٹا لگ تھا پھر وہ اسے لے کر اسٹار کلب میں پہنچ گیا یہاں طارق بٹ، جولیان اور دیگر لوگ ان کے منتظر تھے۔

انہوں نے کھایا پیا، شور مچایا، ہلا گلا دیکھا اور وہ سب کچھ کیا جو نئے سال کو خوش آمدید کہنے کے لیے کیا جاتا ہے لیکن اس سارے ہنگامے کے دوران میں بھی احسن کے سینے میں کچھ پگھلتا رہا، کچھ کھسکتا رہا ایک چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے رہا، دو آنکھیں روتی رہیں، دو ہونٹ سسکتے رہے...... مجھے بھول گئے......؟

☆☆☆

سال کی اس آخری شام کو......سڑک کے کنارے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے احسن کی سوچ میں جو تبدیلی آئی تھی، وہ وقتی نہیں تھی وہ مستقل تھی......اس روز جو برف پگھلنا شروع ہوئی تھی وہ مسلسل پگھل رہی تھی۔ اس برف کے اندر چھپی ہوئی بہت سی گمشدہ حقیقتیں بہت قریب ہوتے ہوئے بھی اس سے بہت دور رہی تھیں۔

ایک روز شام سے کچھ پہلے طارق بٹ شوروم پر آیا تو کافی اپ سیٹ تھا۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس نے ایک دو پیگ معمول سے زیادہ لگا رکھے ہیں۔ "کیا بات ہے کچھ پریشان ہو؟" احسن نے پوچھا۔

وہ سگریٹ کا کش لے کر فلسفیانہ انداز میں بولا "کبھی کبھی تو لگتا ہے یار کہ اپنا وطن چھوڑ کر ہم ہوا میں لٹک گئے ہیں۔ ہمارے قدموں کے نیچے زمین سرے سے رہی ہی نہیں۔ اتنا عرصہ بیت گیا لیکن ہم اب بھی غیر ملکی ہیں پاکی ہیں۔ شاید ہم دو سو سال اور بھی یہاں رہیں تو بھی پاکی ہی رہیں گے یہ ملک ہمارا دیس نہیں بنے گا۔"

"چھوڑو یار، یہ باتیں تو پہلے بھی کئی دفعہ کر چکے ہیں۔" احسن نے ذرا بیزاری سے کہا۔

"لیکن یار! اب یہ باتیں زیادہ محسوس ہوتی ہیں پہلے باہر سے سکون نہیں تھا لیکن گھر میں تو تھا، لیکن اب نہ باہر نہ گھر میں......کل وہ تیرا بڑا بھتیجا نشے میں ٹن گھر آ گیا ساتھ ہی گرل فرینڈ بھی تھی مجھ سے کہنے لگا مجھے اوپر والے خالی کمرے کی چابی دو میں نے سونا ہے۔ میں نے کہا اوئے نامعقول گرل فرینڈ کو لے کر جائے گا۔ کہنے لگا میں کوئی اغوا کر کے نہیں لایا ہوں میری دوست ہے۔ بالغ ہے اپنی مرضی سے میرے ساتھ رہ سکتی ہے اور میں بھی اپنی مرضی سے اس کے ساتھ وقت گزار سکتا ہوں......یہ کوئی نرالی بات نہیں ہے میں نے دھکے مار کر گھر سے نکال دیا۔ ابھی تک واپس نہیں آیا تمہاری بھرجائی نے رو رو کر برا حال کر رکھا ہے۔ کرن اور شمائلہ بھی پریشان ہیں۔"

"چل یار کوئی بات نہیں، ایسی اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے۔" احسن نے طارق کی ڈھارس بندھائی۔ "دو مہینے پہلے بھی تو ایسا ہی مسئلہ ہوا تھا پھر خود ہی گھر آ گیا تھا ناں۔"

"لیکن یار میں اب ان چکروں سے بڑا پریشان ہو گیا ہوں، پتا نہیں کیوں یہاں سے دل اچاٹ ہوتا جا رہا ہے میرا...... فرائی ڈے کی شام کو پتا ہے کیا ہوا کرن کے ساتھ؟"

"کیا ہوا؟" احسن نے چونک کر پوچھا۔

"ایک کالا پکاڈلی سرکس کے قریب اس کا پرس چھین کر لے گیا۔ جھٹکا لگنے سے بے چاری کی انگلی بھی اتر گئی ہے، پٹیاں باندھی پھر رہی ہے۔"

اس قسم کی باتیں اب احسن اور طارق میں اکثر ہوتی رہتی تھیں۔ جب سے بچے جوان ہوئے تھے کئی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ طارق عموماً پریشان رہتا تھا۔ اس کا دل شاید واقعی یہاں سے اچاٹ ہو گیا تھا وہ اب پاکستان واپس جانا چاہتا تھا لیکن جانا اتنا آسان بھی نہیں تھا، جمی جمائی زندگی تھی......کاروبار تھا......اور پھر بچوں کی اپنی سوچ بھی تھی۔ طارق کا بڑا بیٹا شہزاد تو کسی صورت واپس جانے پر تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ میاں بیوی اور دونوں لڑکیاں طارق کی رائے سے رائے ملا سکتی تھیں

۔۔اور شاید چھوٹا بیٹا اعجاز بھی تیار ہو جاتا۔

طارق کی باتیں سن سن کر اور بچوں کے حالات دیکھ دیکھ کر کسی وقت احسن کے ذہن میں بھی واپسی کا خیال برقی کوندے کی طرح لپکتا تھا وہ سوچتا تھا کہ کاروبار کسی قابل اعتبار شخص کے سپرد کر کے واپس لوٹ جائے۔ جب وہ ایسا سوچتا تھا تو اس کے نتھنوں میں مٹی کی سوہنی خوشبو داخل ہوتی تھی۔ کھیتوں کھلیانوں کے رنگ اس کی آنکھوں میں لہراتے تھے اور کچھ بھولے بسرے لوک گیت اس کے کانوں میں رس گھولنے لگتے تھے......لیکن یہ کیفیت بس تھوڑی دیر ہی برقرار رہتی تھی، پھر اورینٹل فرنیچرز کا کوئی مسئلہ دیوار کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا اور باقی سب کچھ غیر اہم ہو کر اس دیوار کے پیچھے اوجھل ہو جاتا تھا۔

وہ فروری کی ایک سرد شام تھی بازار میں رونق معمول سے کم تھی لیکن اورینٹل فرنیچرز کے شوروم پر ہمیشہ کی طرح گاہک موجود تھے۔ احسن اپنے شاندار آفس میں بیٹھا تھا اور کھڑکی کے شیشے میں سے باہر سڑک پر آتی جاتی ٹریفک کا جائزہ لے رہا تھا۔ کلوز سرکٹ ٹی وی پر تین منزلہ شوروم کا ایک ایک گوشہ اس کی نگاہ میں تھا۔ اس کی کشادہ میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فونز میں سے ایک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھایا......دوسری طرف ایک پریشان کن مردانہ آواز تھی "ہیلو...... میں وکٹوریہ اسپتال سے بول رہا ہوں مجھے اورینٹل فرنیچرز کے مالک مسٹر احسن سے بات کرنی ہے۔"

"جی میں احسن بول رہا ہوں۔ خیریت تو ہے؟"

"آپ کے لیے ایک تکلیف دہ خبر ہے مسٹر احسن آپ کی بیٹی مس لائبہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہ اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ہیں۔ انہیں چوٹیں آئی ہیں بہرحال وہ ہوش میں ہیں آپ کا فون نمبر وغیرہ انہوں نے ہی دیا ہے۔"

احسن کو قرب و جوار گھومتے ہوئے محسوس ہوئے، اسے لگا جیسے دل کی دھڑکن ایک دم تھم جائے گی اور سب کچھ ختم ہو جائے گا "کیا ہوا ہے لائبہ کو؟" وہ چیخ کر بولا۔ اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"وہ ایک گاڑی سے ٹکرا کر گری ہیں۔ آپ فوراً اسپتال آ جائیں۔"

احسن کو کچھ پتا نہیں چلا......وہ کب آفس سے نکلا کب کار میں بیٹھا اور کب لندن کی ٹریفک میں سے گزرتا ہوا وکٹوریہ اسپتال کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس کا گلا خشک ہو چکا تھا اور آنکھوں کے سامنے ہر شے لرزتی ہوئی محسوس ہوتی تھی، وہ بھاگتا ہوا ایمرجنسی وارڈ تک پہنچا۔ جب تک اس نے اپنی آنکھوں سے لائبہ کو دیکھ نہیں لیا اسے کسی بات پر یقین نہیں آیا وہ ہوش میں تھی اس کے سر اور بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایک پاؤں بھی زخمی تھا اپنی اشک بار پلکوں کے پیچھے سے احسن نے اسے دیکھا ......اس نے احسن کو دیکھ کر ہولے سے اثبات میں سر ہلایا، احسن کی جان میں جیسے جان آ گئی۔

کچھ ہی دیر بعد احسن کا منیجر اشفاق درانی بھی اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ ابھی تک انہیں اصل واقعے کا پتہ نہیں چلا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لائبہ کو حادثہ کس جگہ پیش آیا؟ وہ وہاں کرنے گئی تھی؟ وہ کس چیز سے ٹکرائی؟ وغیرہ وغیرہ اسپتال میں ایک انگریز ڈاکٹر درانی کا دوست تھا۔ درانی نے اسے ڈھونڈا اور پھر اس کے ذریعے متعلقہ ڈاکٹروں تک رسائی حاصل کی......دس پندرہ منٹ میں اس نے کافی کچھ معلوم کر لیا۔ یہ معلومات احسن تک پہنچانے کے لیے جب وہ احسن کے پاس آیا تو اس کے چہرے پر خاصی فکرمند نظر آ رہی تھی وہ احسن کو ایمرجنسی وارڈ کے سامنے سے ہٹا کر ایک طرف لے گیا اور بولا۔

"جناب! یہ کوئی اتفاقیہ حادثہ نہیں ہے......مس لائبہ کو اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مس لائبہ نے چلتی کار میں سے چھلانگ لگا کر خود کو بچایا ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" احسن نے اپنا سر پکڑ لیا۔

درانی نے ذرا توقف سے کہا "اور جناب! مس لائبہ اکیلی نہیں تھیں۔ ان کے ساتھ جناب طارق کی صاحبزادی مس کرن بھی تھیں۔ یہ دونوں سپر مارکیٹ کی طرف شاپنگ کے لیے جا رہی تھیں چند اوباش کالوں نے کار میں ان کا پیچھا کیا اور پھر ایک سنسان جگہ پر انہیں زبردستی گاڑی میں ڈال لیا۔"

"اور......اور کرن کہاں ہے؟" احسن نے خوف سے لرزتی آواز میں پوچھا۔

درانی کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں لہرا گئیں۔ "ان کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا پولیس انہیں ڈھونڈ رہی ہے۔"

ایک تیر سا احسن کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اپنے یار طارق کا چہرہ احسن کی نگاہوں کے سامنے آیا اور اس کی سانس رکنے لگی وہ طارق کو فون کرنے کے لیے باہر پبلک کال آفس کی طرف دوڑا......اسپتال کے مین دروازے کے پاس پہنچ کر اسے یاد آیا کہ موبائل فون اس کی جیب میں بھی ہے۔ اس نے موبائل پر طارق کا نمبر ملایا لیکن اس سے پہلے کہ رابطہ ہوتا طارق خود ہی اسپتال کے مین دروازے پر پہنچ گیا لیکن وہ اپنے پاؤں پر نہیں تھا وہ اسٹریچر پر تھا۔ نجانے کیوں اس کا چہرہ دیکھتے ہی احسن کو اندازہ ہو گیا کہ اسے دل کا دورہ پڑا ہے۔ عملے کے چند افراد بڑی تیزی سے اسے سی سی یو کی طرف لے جا رہے تھے "میرے یار کو کیا ہوا؟ میرے یار کو کیا ہوا؟" احسن چیخا اور اس نے طارق کو چھونے کی کوشش کی۔

عملے نے اسے اسٹریچر سے دور ہٹادیا۔ احسن شدید صدمے کے عالم میں پتھر کی طرح ساکت کھڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک دم ہی کئی آفات اس پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ اچانک اس کا موبائل فون جاگ پڑا۔ اس نے کال ریسیو کی دوسری طرف طارق کی بیوی جولیان تھی وہ رورو کر احسن کو بتارہی تھی کہ ان پر کیا قیامت ٹوٹی ہے اس نے احسن کو بتایا کہ کرن کو کچھ اوباش لڑکوں نے اغوا کرلیا ہے۔ پولیس اسٹیشن کی طرف جاتے ہوئے طارق کو دل کا دورہ ... پڑا ہے اور اسے اسپتال لے گئے ہیں۔ جولیان نے ہچکیاں لیتے ہوئے طارق کو یہ بھی بتایا کہ کرن کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا ہے۔

یہ بڑے روح فرسا لمحات تھے۔ ایک طرف طارق کو دل کا دورہ پڑا تھا...... دوسری طرف لائبہ کی پریشانی تھی...... تیسری طرف کرن کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ احسن اور اشفاق درانی وغیرہ ''تینوں اطراف'' میں مسلسل بھاگ دوڑ کر رہے تھے...... تقریباً دو گھنٹے بعد حالات بہتر ہونا شروع ہوئے سب سے پہلے کرن کی طرف سے اچھی خبر ملی۔ پولیس نے بریڈفورڈ کے علاقے میں اسے برآمد کرلیا۔ نشے میں دھت اوباش نوجوان اسے ایک گیراج میں لے گئے تھے۔ یقیناً وہ اس کی عزت سے کھیلنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس ویران گیراج میں اپنا شیطانی کھیل کھیلنے کے لیے انہوں نے پورا اہتمام کررکھا تھا بہرحال کرن کی قسمت اچھی تھی عین موقعے پر پولیس نے اسے نیم برہنہ حالت میں برآمد کرلیا۔ اس کے کومل جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔ تین نوجوان بھی گرفتار ہوئے جبکہ دو بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔

رات نو بجے کے لگ بھگ طارق بٹ کی حالت بھی کچھ سنبھل گئی۔ وہ ہوش میں آگیا تھا اور اس نے جولیا اور احسن کو دیکھ کر شیشے کی دوسری جانب سے ہاتھ بھی ہلایا۔ ڈاکٹر کی اجازت سے جولیاں نے طارق سے مختصر بات کی اور اسے کرن کی بازیابی کے بارے میں بتایا۔

لائبہ بھی بظاہر ٹھیک ہی نظر آرہی تھی۔ گاڑی سے گر کر اس کے بائیں بازو اور بائیں پاؤں پر چوٹیں آئی تھیں۔ شکر کا مقام تھا کہ کوئی فریکچر نہیں ہوا تھا۔ اس کے پیٹ کے زیریں حصے میں بھی ضربیں آئی تھیں اور وہ شدید تکلیف محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

فروری کی اس منحوس شام کو پیش آنے والے واقعے نے احسن کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ واقعہ اچانک ہی رونما نہیں ہوگیا تھا۔ اس کا ایک پورا ''بیک گراؤنڈ'' تھا۔ یہ اردگرد نظر آنے والی معاشرت کا ایک منطقی نتیجہ تھا اور ایسے نجانے کتنے نتائج ابھی ظاہر ہونا تھے۔ طارق بٹ کو صحت یاب ہونے میں پندرہ بیس روز لگے تھے اور اس کے فوراً بعد ہی اس نے اپنی دیرینہ سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ جو خیال پچھلے تین چار برسوں سے دھیرے دھیرے اس کے ذہن میں پروان چڑھ رہا تھا وہ ایک دم ہی ''عمل'' کا روپ دھارنے لگا۔ طارق نے اپنا چلا چلایا کاروبار ایک پاکستانی پارٹی کے ہاتھ بیچ دیا اور پاکستان جانے کے ارادے کو حتمی شکل دے دی۔

طارق بٹ کے فیصلے کے بعد احسن بھی سخت گومگو کا شکار تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ طارق کے بعد وہ انگلینڈ میں تنہا رہ جائے گا' سب کچھ ہوگا لیکن کچھ بھی نہیں ہوگا وہ اپنی لاڈلی لائبہ کی طرف سے بھی سخت پریشان تھا وہ اسپتال سے گھر آچکی تھی لیکن ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئی تھی۔ واقعے کو چار مہینے گزر جانے کے باوجود وہ اپنے روزمرہ معمولات کی طرف نہیں لوٹ سکی تھی۔ اس کی صورت حال کچھ پیچیدہ سی تھی۔ اسے اندرونی چوٹیں آئی تھیں۔ ایک دو نسوانی اعضا متاثر ہوئے تھے۔ کسی وقت پیٹ میں شدید درد محسوس کرتی تھی' کسی وقت بخار ہوجاتا تھا۔ اپنی بے حد مصروفیت کے باوجود احسن' لائبہ کے علاج میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہا تھا۔ لندن کے دو تین بہترین ڈاکٹر لائبہ کو دیکھ چکے تھے۔ دوا بھی جاری تھی یوں لگتا تھا کہ وہ بتدریج بہتر ہورہی ہے۔

اس سے پہلے احسن نے جب بھی کبھی پاکستان جانے کی بات کی تھی لائبہ نے مخالف رائے کا اظہار کیا تھا وہ صرف اس حد تک پاکستان جانے کے لیے تیار تھی کہ پاکستان کی سیر کی جائے اور لاہور کے وہ گلی کوچے دیکھے جائیں گے جہاں اس کے پاپا نے لڑکپن اور جوانی کے دن گزارے لیکن اب فروری میں پیش آنے والے واقعات کے بعد لائبہ کی رائے بھی کچھ بدلی بدلی نظر آتی تھی۔ احسن کو محسوس ہوتا تھا کہ اگر وہ تھوڑا سا اصرار کرے تو لائبہ اس کے ساتھ پاکستان جانے کو تیار ہوجائے گی۔

پھر انہی دنوں ایک اور اہم واقعہ ہوگیا۔ طارق بٹ اپنی فیملی سمیت پاکستان واپس چلا گیا وہ لندن اور ''لندنیت'' کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ گیا تھا۔ بہرحال کوشش کے باوجود اپنے بگڑے تگڑے فرزند شہزاد کو ساتھ نہیں لے جاسکا تھا۔ یہ وہی فرزند تھا جو رات گئے اپنی گرل فرینڈز کو لے کر گھر آتا تھا اور باپ سے کسی خالی کمرے کی چابی مانگتا تھا۔ پھر اس کی بہن اغوا ہوئی تھی اور درندوں کا لقمہ بنتے بنتے بچی تھی۔ اس المیے سے کوئی سبق سیکھنے کی بجائے اس نے اسے ایک معمولی واقعہ کہہ کر ٹال دیا تھا۔ یقیناً وہ انہی لوگوں میں سے تھا جن کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہوتی ہیں۔

طارق بٹ کے پاکستان جانے کے ڈیڑھ دو ماہ بعد ہی احسن کا دل بھی لندن سے بالکل اچاٹ ہوگیا۔ جمی جمائی زندگی

تھی۔ وسیع کاروبار تھا، اس کے باوجود وہ ایک دم پرواز کرجانا چاہتا تھا۔ وہ راستہ بھول جانے والے پرندے کی طرح بے قرار اور غم زدہ نظر آنے لگا تھا۔ اب وہ انہی فضاؤں اور سبزہ زاروں میں واپس جانا چاہتا تھا، جہاں سے سترہ برس پہلے اڑا تھا...... اور جب وہ واپس جانے کا سوچتا تھا دو آنکھیں روتی تھیں۔ دو ہونٹ سسکتے تھے ...... اور ایک جانی پہچانی آواز کانوں میں سرسراتی تھی...... مجھے بھول گئے؟ مجھے بھول گئے؟

تنہائی میں بیٹھ کر احسن جب بھی واپسی کی منصوبہ بندی کرتا تھا، اس کے ذہن میں سب سے پہلے لائبہ کی صحت کا خیال آتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پاکستان واپسی سے پہلے لائبہ بالکل صحت مند ہوجائے اس دن بھی جب وہ اپنے ڈس پلے سینٹر سے گھر گیا تو لائبہ اسٹڈی روم میں ہونے کی بجائے بیڈروم میں تھی۔ احسن کا دل دھک سے رہ گیا۔ لائبہ کو پھر بخار نے آلیا تھا۔ یہ کم بخت بخار کسی صورت جان ہی نہیں چھوڑ رہا تھا احسن سب کام چھوڑ چھاڑ کر بیٹی کی تیمارداری میں لگ گیا۔ لائبہ کی تکلیف اسے بے حال کر چھوڑتی تھی وہ لائبہ کا سر گود میں رکھ کر اسے دوا پلا رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا، دوسری طرف اس کا ایک ڈچ دوست مسٹر اسٹیفن تھا۔ اسٹیفن کا کاروبار بھی وڈ فرنیچر کا تھا اسٹیفن سے بھی احسن کی پرانی دوستی تھی۔ اسٹیفن نے کہا ''احسن تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ میں نے ایک نہایت قابل گائنا کالوجسٹ کا پتہ کیا ہے۔ ان کا نام مس رینی ہے۔ یہ انڈین ہیں اور ایمسٹرڈیم کے رائل اسپتال میں بیٹھتی ہیں۔ قدرت نے ان کے ہاتھوں میں بڑی شفا دی ہے۔ پورے یورپ سے مریض ان کے پاس آتے ہیں۔ جیسے بھی ہو، تم بیٹی لائبہ کو ان کے پاس لے جاؤ۔''

''لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ میں تمہارے سفر کا سارا انتظام کر دیتا ہوں۔ تم بس جانے کی تیاری کرلو۔''

''ٹھیک ہے، اگر تم کہتے ہو تو...... یہ بھی کر دیکھتے ہیں۔'' احسن نے کہا۔

اگلے ایک دو روز میں احسن نے مزید تحقیق کی اور اس بات کی تصدیق ہوئی کہ ڈاکٹر رینی، لائبہ کے لیے بہترین معالج ثابت ہوں گی۔

ٹھیک تین دن بعد احسن' لائبہ کے ساتھ ہالینڈ میں تھا۔ لندن میں احسن کا فیملی ڈاکٹر شوکت رضا بھی اس کے ساتھ تھا۔

وہ ایمسٹرڈیم کے رائل اسپتال میں پہنچے۔ رائل اسپتال میں پہنچ کر احسن پر دو اہم انکشافات ہوئے۔ پہلا انکشاف تو یہ تھا کہ صرف ایک ہفتہ پہلے ڈاکٹر رینی ہالینڈ سے پاکستان جاچکی ہیں اور مستقبل قریب میں ان کے آنے کا امکان نہیں۔

دوسرا انکشاف زیادہ اہم اور تحیر خیز تھا۔ اس انکشاف نے احسن کو سرتاپا ہلا کر رکھ دیا تھا یہ دوسرا انکشاف...... یہ تھا کہ ڈاکٹر رینی انڈین نہیں پاکستانی ہیں اور ان کا پورا نام ڈاکٹر عنبرین ہے اور ان کا شمار پاکستان ہی نہیں دنیا کے چند بہترین گائنی ڈاکٹرز میں ہوتا ہے۔ رائل اسپتال کی ایک لابی میں احسن نے ڈاکٹر عنبرین کی ایک تصویر بھی دیکھی اور دم بخود اس تصویر کے سامنے کھڑا رہ گیا یہ تصویر زیادہ پرانی نہیں تھی۔ یہ ایک سال پہلے اسی اسپتال میں ہونے والی کسی تقریب کی تصویر تھی۔ عنبرین نے اوور کوٹ پہن رکھا تھا اور وہ اسٹیج پر کھڑی تقریر کررہی تھی۔ عقب میں کرسیوں پر ڈچ اور انگریز ڈاکٹرز نظر آرہے تھے آج مدتوں بعد احسن نے عنبرین کی صورت دیکھی تھی۔ وہ دیکھتا رہ گیا...... وہ ڈھل چکی تھی لیکن آج بھی خوبصورت تھی۔ ماتھا تھوڑا سا کشادہ ہوگیا تھا، پلکیں تھوڑی سی بھاری ہوگئی تھیں ممکن تھا کہ بالوں میں چاندی کے کچھ تار بھی ہوں لیکن مجموعی طور پر وہ دلکش ہی نظر آتی تھی۔ وہی مدھ بھری آنکھیں جو اس کا دل موہ لیتی تھیں۔ وہی صراحی دار گردن جو اس کے ہونٹوں پر صحراؤں کی پیاس لے آتی تھی' وہی متوازن جسم جو اس کے اندر زندگی کی امنگ جگاتا تھا۔ تصویر میں گردن سے ذرا نیچے ایک سیاہ تل بھی نظر آرہا تھا۔ کتنا جانا پہچانا تھا یہ تل وہ چند ہی لمحوں میں ماضی کے کئی ادوار سے گزر گیا۔

''پاپا کہاں کھو گئے آپ؟'' لائبہ نے اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا۔

''نن...... نہیں...... کہیں بھی نہیں۔'' وہ گڑبڑا گیا۔

''لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کی شکل میں آپ کو کوئی جانا پہچانا چہرہ نظر آگیا ہے۔'' وہ بولی۔

''شاید...... ایسا ہی ہے اپنے وطن کے سارے ہی چہرے جانے پہچانے لگتے ہیں۔'' احسن نے بات گول کی۔

اگلے ہی روز وہ لوگ ہالینڈ سے واپس آگئے۔ واپس آنے کے بعد دو تین روز تک احسن کے دل و دماغ کی کیفیت عجیب سی رہی' عنبرین کے بارے میں جان کر اور اس کی تصویر دیکھ کر ماضی اپنے جلو میں یادوں کا طوفان لے کر اس کے روبرو آن کھڑا ہوا تھا اور احسن کو فرار کا راستہ نظر نہیں آرہا تھا' وہ اسی کیفیت سے بچنا چاہتا تھا۔ اس کیفیت سے بچنے کے لیے وہ برسوں بھاگتا رہا تھا وہ جانتا تھا کہ کسی وجہ سے یہ سلسلہ ایک بار شروع ہوگیا تو اسے بہت اذیت دے گا...... یہی وجہ تھی کہ اس نے وہ سارے راستے بند کررکھے تھے جو کسی طور پر عنبرین کی طرف کھلتے تھے۔ پاکستان میں احسن کے بھائی اور بھابی کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ احسن کو بھی معلوم نہیں تھا کہ پچھلے سترہ اٹھارہ برسوں میں عنبرین کے احساسات و خیالات کیا رہے

ہیں وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی رہی ہے۔ کبھی اس نے احسن کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے یا نہیں..... وہ کچھ نہیں جانتا تھا کہ شاید..... شاید عنبرین کی طرف بھی اسی قسم کے احساسات تھے۔

عنبرین کی جو تصویر اس نے اسپتال کی لابی میں دیکھی تھی وہ شب و روز اس کی نگاہوں میں گھومتی رہتی تھی وہ اس کی آواز سننا چاہتا تھا اس کی مسکراہٹ دیکھنا چاہتا تھا وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا وہ اب بھی مسکراتے ہوئے ویسی ہی لگتی ہے جیسے اٹھارہ سال پہلے لگتی تھی۔ احسن کو یوں لگتا تھا کہ برسوں بعد کوئی شے اس کے اندر پھر انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی ہے۔ کچھ عرصے پہلے سال کی آخری شام کو سڑک پر چلتے چلتے برف کا جو عظیم الشان تودا اچانک پھسلنا اور پگھلنا شروع ہوا تھا وہ مسلسل پھسلتا اور پگھلتا جا رہا تھا۔ اس برف کے نیچے ہزار ہا حنوط شدہ مناظر جوں کے توں موجود تھے۔ اب نئے موسم کی تمازت پا کر یہ مناظر متحرک ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان کا گہرا سکوت انگڑائیاں لینے لگا تھا۔

لائبہ کا علاج لندن کی ایک قابل انگریز ڈاکٹر نے شروع کر دیا تھا۔ اس سرجن ڈاکٹر کا خیال تھا کہ شاید لائبہ کے ایک دو اندرونی اعضا کو آپریٹ کرنا پڑے ایکسیڈنٹ نے ان اعضا کو خاصا متاثر کیا تھا اگر آپریشن کا فیصلہ ہوتا تو یہ WOMB کا ایک پیچیدہ آپریشن ہوتا' یہی وجہ تھی کہ پہلے مرض کو دواؤں سے کنٹرول کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس انگریز ڈاکٹر کا شمار بھی اپنے شعبے کی ماہر ترین ڈاکٹرز میں ہوتا تھا۔ وہ ویانا کے ایک بڑے اسپتال سے یہاں لندن میں آئی تھی اور اپنے ساتھ بے پناہ شہرت بھی لے کر آئی تھی۔

ایسے نامور ڈاکٹرز بہت مہنگے بھی ہوتے ہیں مگر احسن کو دولت کی پروا نہیں تھی۔ اسے پراپرٹی اور پاؤنڈز نہیں لائبہ چاہیے تھی۔ اس نے لائبہ کے علاج پر پاؤنڈز پانی کی طرح بہا دیے۔ دھیرے دھیرے لائبہ صحت یاب ہونے لگی۔ بخار کے درمیان وقفے بڑھنا شروع ہو گئے درد بھی اب کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔ لائبہ کو روبصحت دیکھ کر احسن کے دل کی کلی کھل اٹھتی تھی اس خوشی کے سامنے اسے دنیا جہان کی پریشانیاں ہیچ محسوس ہونے لگتی تھیں۔ لائبہ نے پھر سے پڑھائی میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی' روزمرہ کی مصروفیات بھی معمول پر آ رہی تھیں..... بیمار ہونے کے بعد وہ احسن کو اور بھی لاڈلی اور پیاری ہو گئی تھی۔ احسن کو کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے جسم میں اپنی نہیں لائبہ کی جان ہے۔

پاکستان واپس جانے کے بارے میں احسن نے جو اصولی فیصلہ کر لیا تھا وہ اپنی جگہ برقرار تھا وہ بتدریج اپنے کام کو سمیٹتا چلا جا رہا تھا۔ اورینٹل فرنیچرز کی دو بڑی برانچیں اس نے اپنے بااعتماد اور اہل منیجر اشفاق درانی کے حوالے کر دی تھیں اور منیجر کی حیثیت سے اسے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔ احسن جانتا تھا کہ اگر یہ صرف دو برانچیں ہی معمول کے مطابق کام کرتی رہیں تو پاکستان میں اسے کچھ نہیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی طارق بٹ نے لاہور میں فرنیچر کے ایک دو بڑے "ڈس پلے سینٹرز" بنانے کے لیے جگہیں دیکھ لی تھیں اور وہاں ابتدائی کام بھی شروع کرا دیا تھا۔ طارق' احسن کی واپسی کے حوالے سے بڑا پرجوش تھا۔ اس نے ڈیفنس کے علاقے میں ایک بڑی کوٹھی بھی احسن اور لائبہ کے لیے خریدنا چاہی تھی لیکن احسن نے فی الحال منع کر دیا تھا وہ پاکستان واپسی کے بعد اپنے آبائی مکان میں ہی رہنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

تقریباً نو ماہ بعد احسن پاکستان واپس پہنچ گیا۔ وہی لاہور تھا وہی در و دیوار تھے۔ ہر ہر چپے پر ان گنت یادیں تھیں..... ہر ہر موڑ پر گمشدہ رفاقتوں کی کہانیاں تھیں۔ احسن کو یوں لگ رہا تھا جیسے پچھلے سترہ اٹھارہ سال میں وہ کہیں سوتا ہی رہا ہے۔ ایک بے خواب نیند بس تاریکی اور کچھ نہیں۔ احسن نے بھائی اور بھابی کو اپنی واپسی کے بارے میں کافی پہلے آگاہ کر دیا تھا لیکن وہ پاکستان نہیں آئے تھے۔ بھائی اکبر نے بس ایک فون کال کرنے کی زحمت کی تھی اس مختصر فون کال میں انہوں نے احسن کو سمجھا دیا تھا کہ اپنی کچھ الجھنوں کی وجہ سے وہ کویت میں رہنے پر مجبور ہے۔

جب احسن پاکستان سے انگلینڈ گیا تھا تو عنبرین اپنے پاپا جانی کے ساتھ ایک قریبی کوٹھی میں رہتی تھی..... بلکہ یہ قریبی کوٹھی عنبرین کے پاپا جانی نے دانستہ طور پر حاصل کی تھی تاکہ وہ عنبرین کے قریب رہ سکیں۔ اب پاپا جانی نہیں تھے وہ کوٹھی بھی نہیں تھی اور عنبرین بھی نہیں تھی۔ احسن کو طارق کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ ڈاکٹر عنبرین یہاں سے کینٹ کے علاقے میں شفٹ ہو چکی ہیں اور یہ تبدیلی آج سے تقریباً چودہ سال پہلے آ گئی تھی۔

احسن کے پاکستان آنے کے بعد تیسرے چوتھے ہفتے کی بات ہے۔ طارق اور احسن گراسی لان میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے' ڈاکٹر عنبرین کی بات شروع ہو گئی۔ طارق ایک ہی بار میں نصف سموسہ منہ میں رکھتے ہوئے بولا "یار تمہاری اجازت کے بغیر ہی میں تمہاری پہلی بیوی یعنی اپنی پہلی بھابی کے بارے میں تفتیش کرتا رہا ہوں..... تم برا نہ ماننا۔"

"چلو نہیں مانتا۔"

"مان بھی لو گے تو میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے ہو بھرا جی۔" وہ ٹھٹے سے بولا' پھر باقی نصف سموسے کو نگلتے ہوئے بولا "بھابی جی آج کل اپنی والدہ کے ساتھ کینٹ کی ایک کوٹھی میں رہتی ہیں

جب سے انہوں نے ہالینڈ کو پکا پکا چھوڑا ہے وہ ذرا خاموش زندگی گزار رہی ہیں۔ ٹی وی اور اخباروں میں بھی پہلے سے کچھ کم نظر آتی ہیں۔ صبح سویرے اپنے شوفر اور باڈی گارڈ کے ساتھ ہنڈا اکارڈ گاڑی میں اسپتال جاتی ہیں اور ایک بجے واپس آ جاتی ہیں۔ شام کو کبھی جاتی ہیں کبھی نہیں جاتیں۔ ان کے اسپتال کا تو تمہیں پتا ہی ہے ناں۔ عنبرین گائنی سینٹر..... اس اسپتال کا شمار بہت بڑے اور جدید اسپتالوں میں ہوتا ہے۔"

"ہاں میں نے سن رکھا ہے۔" احسن نے ہنکارا بھرا۔

"یہ اسپتال اپنی سہولتوں اور اپنے کام کے لحاظ سے یورپ کے اسپتالوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ یار میری تو عقل دنگ رہ گئی ہے دیکھ کر..... وہاں کی ایک ایک چیز پر بھابی جی کی محنت اور سوچ بچار کی چھاپ نظر آتی ہے پاکستان آنے سے پہلے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بھابی جی اتنی بڑی ہستی ہوں گی۔ مجھے تو افسوس ہونے لگا ہے تیری قسمت پر یار ایسا کیا ہو گیا تھا تم دونوں کے درمیان جو تو بھابی جی جیسی عورت کو چھوڑ کر وہاں لندن میں جا بیٹھا؟"

"تو اپنی چونچ بند رکھے گا یا میں کچھ ماروں تیری ناک پر۔" احسن نے بیزاری سے کہا۔

"نہیں یار میں مذاق میں بات نہیں کر رہا ہوں مجھے واقعی دکھ ہونے لگا ہے یہ سب کچھ جان کر۔"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اندر سے لائبہ کی آواز آئی وہ احسن کو بلا رہی تھی۔ طارق اخبار دیکھنے لگا۔ احسن اٹھ کر اندر آ گیا۔ لائبہ اسی کمرے میں کھڑی تھی جو کبھی احسن اور عنبرین کا بیڈ روم ہوا کرتا تھا وہ اپنی چھوٹی سی ناک چڑھا کر بولی "پاپا میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی' آپ نے سارے گھر کا رنگ روغن پھر سے کروایا لیکن یہ کمرا ویسے کا ویسا ہی رہنے دیا ہے؟"

"اس کا رنگ ٹھیک ہی تھا میں نے سوچا چلو کچھ بچت ہو جائے گی۔" احسن نے بہانہ بنایا۔

"نہیں' مجھے تو کوئی اور چکر لگتا ہے۔" وہ قدرے شوخی سے بولی "کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ کمرا آپ کا اور بڑی امی کا ہو۔ آپ اسے جوں کا توں رکھنا چاہتے ہوں تاکہ پرانی یادیں تازہ ہوتی رہیں۔"

"یہ تمہارے ذہن کی اختراع ہے۔"

وہ سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "یہ دیکھیں یہاں کوئی تصویر بھی تھی تصویر کے فریم کا نشان اب بھی دیوار پر موجود ہے کہیں یہ آپ کی اور بڑی امی کی تصویر ہی تو نہیں تھی؟"

"تم خوامخواہ شرلاک ہومز بننے کی کوشش نہ کرو۔" احسن نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"شرلاک ہومز تو اب بننا ہی پڑے گا۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"کیا مطلب؟"

"آپ خود جو کچھ نہیں بتاتے' ممی بھی پوچھتے پوچھتے دنیا سے چلی گئیں۔ اب میں بھی پوچھ پوچھ کر ہار گئی ہوں۔ آخر کون تھیں بڑی امی؟ آپ کے اور ان کے درمیان کیا ہوا تھا؟ کیوں وہ میرے سویٹ پاپا کو چھوڑ گئیں؟ کیوں ساری زندگی آپ دونوں نے دور دور رہ کر گزار دی..... آخر کیوں؟"

احسن کے چہرے پر ایک دم گہری سنجیدگی چھا گئی "نہیں میرے بچے نہیں" وہ لائبہ کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "کچھ سوال نوکیلے ناخنوں کی طرح ہوتے ہیں وہ زخموں کے کھرنڈ اتار دیتے ہیں پھر سے خون بہنے لگتا ہے میں وہ سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں تم بھی بھول جاؤ......"

"لیکن پاپا اتنا تو بتا دیں وہ زندہ بھی ہیں یا......؟"

"وہ زندہ ہے لیکن ہم سے اور ہماری دنیا سے بہت دور ہے اس کا اپنا ایک جہان ہے۔"

"کیا انہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں پاکستان میں ہیں اور اس مکان میں ہیں؟"

"نو مائی چائلڈ..... وہ بہت بلندی پر ہے۔ اتنی بلندی سے چھوٹے موٹے مکان اور چھوٹے موٹے لوگ نظر نہیں آتے اگر نظر آئیں بھی تو کیڑے مکوڑوں جیسے لگتے ہیں۔ تم چھوڑو ان باتوں کو بس یہ بتاؤ کہ طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت تو ایک دم ٹھیک ہے۔" وہ بولی

"سہ پہر والی گولی کھائی ہے؟"

"جی پاپا۔"

"ڈاکٹر کلارا کی نصیحت یاد ہے ناں۔ دوا کا بہت دھیان رکھنا ہے۔" احسن نے کہا۔

اچانک لان کی طرف سے طارق کی آواز آئی وہ احسن کو بلا رہا تھا۔ احسن نے موقع غنیمت جانا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

احسن کو انگلینڈ سے آئے دو مہینے ہو چکے تھے۔ طارق کی بڑی بیٹی شمائلہ کی شادی تھی۔ یہ شادی مقامی رسم و رواج کے مطابق ہو رہی تھی۔ مایوں، تیل، مہندی غرض ہر تقریب میں مقامی رنگ ڈھنگ نمایاں تھا۔ لائبہ ان تقریبات کو بہت انجوائے کر رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے ایک مکمل "مشرقی شادی" دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مہندی کے موقعے پر لڑکیوں نے خوب ہڑبونگ مچایا۔ مہندی ... لے کر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتی رہیں تاکہ کپڑوں اور چہروں پر مہندی پوتی جا سکے۔ لائبہ بھی اس بھاگ دوڑ میں بھرپور حصہ لے رہی تھی۔ احسن اور طارق اسے بار بار منع کر رہے تھے' لیکن وہ اپنے حال میں مگن تھی

رات دو بجے تقریب ختم ہوئی۔ احسن اور لائبہ دو عدد گھریلو ملازماؤں کے ساتھ گھر واپس آ گئے...... علی الصباح ایک ملازمہ نے سخت پریشانی کے عالم میں احسن کو جگایا۔ اس نے بتایا کہ لائبہ اپنے بیڈروم میں درد سے تڑپ رہی ہے رات کی بھاگ دوڑ نے کام دکھا دیا تھا۔

احسن گاؤن پہن کر بھاگتا ہوا بیٹی کے کمرے میں پہنچا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی رنگ ہلدی تھا اور پورا جسم تکلیف کی شدت سے لرز رہا تھا...... احسن نے ایک ہی نظر میں جان لیا کہ لائبہ کو اسپتال پہنچائے جانے کی ضرورت ہے۔ ان سنگین لمحات میں انگریز گائناکالوجسٹ ڈاکٹر کلارا کے کہے ہوئے الفاظ احسن کے کانوں میں گونجنے لگے۔ اس نے کہا تھا ”تکلیف کا حتمی علاج تو آپریشن ہی ہے۔ ہم دواؤں کی مدد سے صرف کوشش کر رہے ہیں اگر کسی وقت بچی کو شدید تکلیف شروع ہو جائے تو پھر فوراً اس کا آپریشن کرنا پڑے گا۔“

لائبہ کو حتمی الامکان تیزی سے جیل روڈ کے ایک پرائیوٹ اسپتال میں پہنچایا گیا اور اسے ابتدائی طبی امداد دی جانے لگی۔ اس دوران میں طارق اور احسن کا ایک سرجن دوست بھی وہاں پہنچ گئے لائبہ کی حالت دیکھنے کے بعد فوراً لندن میں ڈاکٹر کلارا سے رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ کوشش یکسر ناکام ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لائبہ کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ پین کلر ادویات بھی اتنا اثر نہیں کر رہی تھیں جتنا انہیں کرنا چاہیے تھا اسے آپریشن کی ضرورت تھی اور یہ کوئی معمولی آپریشن نہیں تھا اس کے لیے ہنرمند ترین ہاتھ درکار تھے ہاں ہنرمند ترین ہاتھ۔

دن دس بجے کا وقت تھا جب احسن اور طارق بڑی تیز رفتاری سے عنبرین گائنی سینٹر کی طرف جا رہے تھے۔ ان کی گاڑی ٹریفک کو چیرتی ہوئی عظیم الشان گائنی سینٹر کے سامنے رکی۔ اب انہیں ڈاکٹر عنبرین سے ملنا تھا اور یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ کئی مرحلوں سے گزر کر وہ ڈاکٹر عنبرین کے آفس تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے لیکن یہاں ایک بار پھر انہیں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں بتایا گیا کہ ڈاکٹر عنبرین ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ کے ساتھ اہم میٹنگ میں مصروف ہیں انہیں بہرصورت انتظار کرنا پڑے گا۔

اگلا نصف گھنٹا طارق اور احسن نے سخت کرب کے عالم میں گزارا۔

ایک پی اے کی طرف سے انہیں بار بار بتایا جا رہا تھا کہ اپائنٹ منٹ کے بغیر ڈاکٹر صاحبہ سے ملاقات مشکل ہے۔ خدا خدا کر کے میٹنگ ختم ہوئی اور احسن نے اپنا کارڈ اندر بھیجا تقریباً دس منٹ بعد انہیں بلا لیا گیا۔ احسن نے اکیلے جانا مناسب سمجھا۔ ایک نہایت شاندار آفس کی وسیع و عریض میز کے پیچھے وہ عورت موجود تھی جسے احسن نے چاہا تھا، حاصل کیا تھا اور پھر کھو دیا تھا وہ آج بھی دلکش تھی وہ آج بھی اس کی بیوی تھی لیکن وہ اس سے بہت دور کھڑی تھی۔ ان کے درمیان پانچ فٹ کی میز حائل تھی لیکن یہ لامتناہی فاصلہ تھا وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اسے دیکھ رہا تھا اور ان کے درمیان خاموشیاں بول رہی تھیں یادوں کا ایک ہجوم تھا۔ ہر یاد نے کسی سوگوار عورت کی طرح بال کھول رکھے تھے اور ماتم کناں تھی وہ لمحے جیسے صدیوں پر محیط تھے۔

”کیسے ہو احسن؟“ ایک بجھی بجھی سی لرزیدہ آواز احسن کے کانوں میں پڑی۔

”میں ٹھیک ہوں لیکن ...... لیکن۔“ آواز احسن کے گلے میں اٹک گئی۔

”کیا ہوا ہے؟“ عنبرین نے پوچھا۔

”میں اپنے لیے یہاں نہیں آیا ہوں عنبرین' میں اپنی بچی کے لیے آیا ہوں میری بچی...... میری بچی مر رہی ہے عنبرین اسے تمہاری ضرورت ہے تم اسے بچا سکتی ہو۔“

”کیا ہوا ہے آپ کی بچی کو؟“ ایک غیر جذباتی آواز احسن کی سماعت سے ٹکرائی۔ احسن نے لرزتے ہاتھوں سے لائبہ کی فائل عنبرین کی طرف بڑھا دی۔

”بیٹھیں' عنبرین نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ آنکھوں پر ایک نفیس سا چشمہ لگا کر اس نے فائل کھولی اور ورق گردانی کرنے لگی۔ دو تین منٹ تک فائل میں گم رہنے کے بعد اس نے احسن کی طرف دیکھا' چند لمحے تک ان کی نگاہیں ایک دوسرے میں پیوست رہیں۔ فائل بدستور عنبرین کے سامنے کھلی رکھی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ عام سے لہجے میں بولی ”آپ باہر بیٹھیں میں ابھی تھوڑی دیر میں بات کرتی ہوں۔“

احسن اٹھ کر باہر آ گیا۔ عنبرین کی سرد مہری اس کے دل کو کچوکے لگا رہی تھی وہ برسوں بعد ملی تھی اور ایسے حالات میں ملی تھی جب بالکل اجنبی لوگ بھی اظہار ہمدردی کیے بغیر نہیں رہتے لیکن عنبرین کے رویے میں کہیں کسی نرم رویے نے جھلک نہیں دکھائی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد احسن کو پھر آفس میں بلایا گیا۔ وسیع و عریض آفس میں عنبرین موجود نہیں تھی۔ ایک جواں سال ڈاکٹر وہاں موجود تھا (جس کے بارے میں بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ عنبرین کا معاون ہے) ڈاکٹر نے لائبہ کی فائل احسن کی طرف بڑھاتے ہوئے معذرت کی اور کہا کہ پروفیسر صاحبہ یہ آپریشن نہیں کر سکتیں۔

”لیکن کیوں ...... وہ کیوں نہیں کر سکتی کہاں گئی ہے وہ؟

...... کیوں انکار کر رہی ہے؟“

”میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ معاون ڈاکٹر نے گمبھیر لہجے میں کہا اور ایک کاغذ احسن کی طرف بڑھا دیا ”اس پر دو سرجنوں کے نام لکھے ہوئے تھے' معاون نے کہا ”پروفیسر صاحبہ نے ان دو ڈاکٹرز کی طرف ریفر کیا ہے اگر آپ فوری آپریشن کرانا چاہتے ہیں تو ان سے بات کر کے دیکھ لیں۔“

کاغذ احسن کے ہاتھ میں لرز رہا تھا اور اس کا پورا جسم بھی لرز رہا تھا...... دکھ...... غصہ...... حیرت بہت کچھ اس کپکپاہٹ میں شامل تھا۔ اس نے چیختی ہوئی آواز میں کہا۔

”وہ ہے کہاں؟“ اسے بلاؤ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ پھر وہ طیش کے عالم میں اندرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ معاون ڈاکٹر نے اسے روک لیا۔

”نہیں جناب...... آپ ایسا نہیں کر سکتے' ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔“

”ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔“ احسن نے دراز قد ڈاکٹر کو دھکیلتے ہوئے کہا ”وہ بیوی ہے میری میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

ڈاکٹر نے احسن کو سنبھالنے کی کوشش کی پھر گارڈ کو آواز دی ایک جسیم رائفل بردار گارڈ اندر آ گیا اور احسن کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔

دو چار منٹ تک خوب ہنگامہ ہوا۔ احسن بلند آواز میں بول رہا تھا کہ شاید اسی طرح ہی اس کی بات عنبرین کے کانوں تک پہنچ جائے لیکن وہ تو شاید یہاں تھی ہی نہیں۔ اس دوران میں بغلی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر وجیہہ شخص اندر آ گیا۔ اس کے سر کے بیشتر بال سفید تھے وہ تھری پیس سوٹ میں تھا۔ احسن نے اسے پہچان لیا وہ سر عادل تھا۔ اٹھارہ سال پہلے وہ عنبرین کا استاد تھا وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی خوش لباس نظر آ رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر جو کیفیت تھی وہ خوشگوار نہیں تھی۔ اس کے آتے ہی آفس کا بھڑکا ہوا ماحول ایک دم سرد پڑ گیا۔ سر عادل نے باقی افراد کو آفس سے باہر جانے کی ہدایت کی اور احسن کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ احسن نے بیٹھنے سے انکار کر دیا اور تیز لہجے میں بولا ”میری بچی کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے میں صرف عنبرین سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس سے بس ایک بار یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ میری بچی کا آپریشن کر رہی یا نہیں۔“

سر عادل بولے ”یہ جن دو سرجنوں کے نام عنبرین نے لکھے ہیں ان میں سے......“

”مجھے ان ناموں سے کوئی غرض نہیں۔“ احسن سر عادل کی بات کاٹتے ہوئے چیخا ”میں عنبرین سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ میری بچی کا آپریشن کر رہی ہے یا نہیں؟“

سر عادل نے براہ راست احسن کی آنکھوں میں دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے ”وہ تمہاری بچی کا آپریشن نہیں کر رہی۔ از اٹ کلیئر؟“

”وہ کیوں نہیں کر رہی؟ اسے مجھ سے عداوت ہے تو اس کا بدلہ ایک بچی سے کیوں لے رہی ہے وہ کچھ اور نہ بھی سہی لیکن ایک ڈاکٹر تو ہے اگر اس کا ٹائم بہت قیمتی ہے تو میں اس ٹائم کی منہ مانگی قیمت اسے دوں گا۔ اس کی جو ڈیمانڈ ہے وہ میں پوری کر دوں گا۔“

”لیکن وہ آپریشن پھر بھی نہیں کرے گی کیونکہ وہ کہہ چکی ہے وہ آپریشن نہیں کرے گی۔“ سر عادل نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔ پھر ذرا توقف سے بولے ”تم اپنا ٹائم ضائع کر رہے ہو مسٹر احسن! تمہارے پاس وسائل کی کمی نہیں تم اپنی بچی کا علاج کہیں سے بھی کروا سکتے ہو' ممکن ہے کہ میڈیکیشن سے اس کی طبیعت سنبھل جائے۔ اس کے بعد اسے باہر بھی لے جا سکتے ہو میرے خیال میں۔“

”شٹ اپ...... یو شٹ اپ......“ احسن نہایت زہریلے لہجے میں گرجا شدت جذبات سے اس کا جسم خشک پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک لفظ کہے بغیر آفس سے باہر نکل آیا۔ آفس کا دروازہ اس نے اتنے زور سے بند کیا تھا کہ دیواریں جھنجھنا اٹھی تھیں۔

جیل روڈ کے پرائیوٹ اسپتال میں ڈاکٹرز لائبہ کی حالت کو سنبھالا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسری طرف لندن میں ڈاکٹر کلارا سے رابطہ کی کوششیں بھی جاری تھیں شام تک لائبہ کی حالت میں معمولی سی بہتری ہوئی لیکن بنیادی مسائل جوں کے توں تھے۔ احسن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

شام سات بجے کے لگ بھگ احسن کے موبائل کی گھنٹی بجی دوسری طرف عنبرین کا وہی معاون ڈاکٹر شرجیل تھا جس سے صبح احسن کی زوردار جھڑپ ہوئی تھی۔ معاون ڈاکٹر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ”مسٹر احسن اگر آپ نے ابھی تک کوئی اور ”ارینج“ نہیں کیا ہے تو مریضہ کو ہمارے ہاں شفٹ کرا لیں 'پروفیسر عنبرین کا فون آیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ وہ آپریشن کریں گی۔“

یہ ایک خوش کن خبر تھی مگر احسن کے سینے میں دھواں ہی دھواں بھرا ہوا تھا۔ اگر لائبہ کی مخدوش حالت اس کے سامنے نہ ہوتی تو شاید وہ اس آفر کو ٹھکرا دیتا۔ موجودہ صورتحال میں اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی انا کا سر کچل دے اور بیٹی کو لے کر جلد از جلد عنبرین گائنی سینٹر پہنچ جائے۔ پانچ منٹ بعد اس نے ڈاکٹر شرجیل کو کال بیک کیا اور اسے بتایا کہ وہ مریضہ کو لے کر گائنی سینٹر پہنچ رہے ہیں۔

☆☆☆

عنبرین گائنی سینٹر میں لائبہ کا آپریشن ہوا۔ یہ ایک طویل اور کٹھن آپریشن تھا جو رات گیارہ بجے سے شروع ہو کر صبح پانچ بجے تک جاری رہا۔ ایک درجن سے زائد خون کی بوتلیں لگائی گئیں، ڈاکٹر عنبرین کی سرکردگی میں ماہر ڈاکٹروں کی تین رکنی ٹیم نے اس پیچیدہ آپریشن میں حصہ لیا۔ آپریشن تھیٹر سے باہر آہیں تھیں، سسکیاں تھیں اور دعائیں تھیں، آپریشن تھیٹر کے اندر نامور گائناکالوجسٹ کے ماہر ترین ہاتھ ایک نو دمیدہ کلی کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ گڑگڑاتی دعاؤں کے سائے میں ایک ''ضدی روگ'' کے ساتھ ہنرمند ہاتھوں کی جنگ تھی چھ گھنٹے پر محیط ایک گھمسان کا رن تھا کہنے والوں نے کہا کہ یہ ایک دیوار تھی جو مریضہ اور اس کی موت کے درمیان کھڑی ہو گئی تھی اور یہ دیوار پروفیسر عنبرین تھی، آخر یہ جنگ جیت لی گئی لائبہ کو بچا لیا گیا۔

آنے والے دنوں میں لائبہ تیزی سے روبصحت ہوئی گائنی سینٹر کے ڈاکٹرز اس کی بہترین دیکھ بھال کر رہے تھے لیکن عنبرین آپریشن کے بعد صرف ایک بار ہی لائبہ کے پاس آئی تھی اتفاقاً اس وقت احسن بھی کمرے میں موجود تھا۔ عنبرین کے ساتھ ڈاکٹرز کا گروپ بھی تھا وہ حسب سابق بجھی بجھی اور خاموش تھی وہ بمشکل ایک دو منٹ ہی وہاں رکی۔ لائبہ اور احسن سے چند رسمی سوالات کرنے کے بعد وہ چلی گئی۔ احسن نے واضح طور پر محسوس کیا کہ عنبرین کے جلدی لوٹ جانے کی وجہ وہ خود تھا۔

عنبرین کچھ بجھی بجھی سی نظر آتی تھی۔ احسن کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اب اپنی مصروفیات کو محدود کر چکی ہے اور انہی لوگوں سے ملتی ہے جن سے ملاقات بہت ضروری ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگوں کو اس سے شکایت رہتی ہے کہ وہ ملاقات کا وقت نہیں دیتی۔

لائبہ اسپتال سے فارغ ہو چکی تھی۔ بہرحال ابھی اسے دو ہفتے تک چلنے پھرنے سے پرہیز کرنا تھا پاپا آج کئی روز بعد گھر سے نکلے تھے۔ ایک فی میل اٹینڈینٹ ہر وقت لائبہ کے پاس موجود رہتی تھی۔ اس کے علاوہ کرن بھی اکثر چلی آتی تھی۔

آج کرن نے نہیں آنا تھا لہٰذا پاپا کے جانے کے بعد وہ خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی۔ جب وہ تنہا ہوتی تھی ایک دم بہت سی سوچیں اس پر یلغار کرتی تھیں اور اسے گھیر لیتی تھیں۔ اب بھی ایسا ہی ہوا وہ سوچوں کے نرغے میں آ گئی۔ لائبہ نہایت زیرک اور معاملہ فہم تھی چودہ پندرہ سال کی عمر میں ہی وہ بعض معاملات میں بڑوں کے انداز میں سوچتی تھی۔ اپنے پاپا میں اس کی جان تھی اور وہ پاپا کے حالات سے بےخبر نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا اس کے پاپا نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ایک غم کے بوجھ تلے پستے ہوئے گزارا ہے اپنی ماں کی طرح وہ بھی اس غم کے بارے میں بڑی اچھی طرح جانتی تھی یہ اپنے جیون ساتھی سے جدائی کا غم تھا۔ اس کے پاپا نے کسی سے ٹوٹ کر محبت کی تھی اسے حاصل کیا تھا اور پھر کھو دیا تھا یہ اس کی پہلی ماں تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس کی سوتیلی ماں تھی...... سوتیلی ماں سے بچے کا رشتہ مختلف ہوتا ہے لیکن لائبہ کے ذہن میں سوتیلے پن والی کوئی بات آتی ہی نہیں تھی۔ اس نے جب کبھی بھی تصور میں اپنی پہلی ماں کو دیکھا تھا ایک درد بھرے گداز چہرے والی خوبرو عورت کا ہیولا ابھرا تھا اس کے ماتھے پر دکھ کی لکیریں تھیں وہ ایک ویران راستے کے آخری سرے پر کھڑی کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

اور بات صرف لائبہ ہی کی نہیں تھی، لائبہ کی مرحومہ والدہ نے بھی ہمیشہ اپنے شوہر اور شوہر کی پہلی بیوی کا درد محسوس کیا تھا۔ ذہن میں رقیبانہ خیالات کا آنا تو دور کی بات ہے انہوں نے اس حوالے سے بھی مذاق میں بھی کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا تھا...... بلکہ ایک مرتبہ تو وہ اتنی آزردہ خاطر ہوئی تھیں کہ اپنے شوہر اور ان کی پہلی بیوی کو آپس میں ملانے پر تل گئی تھیں۔ انہوں نے سیر کے بہانے پاکستان جانا چاہا تھا اور اس عورت سے ملنا چاہا تھا جس کے ساتھ ان کا ''سوکن'' کا رشتہ تھا۔

شاید اپنی والدہ کے ایسے ہی خیالات لائبہ پر بھی اثر انداز ہوئے تھے۔ اس نے اب تک کی زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی اپنی دوسری ماں کے بارے میں منفی انداز میں نہیں سوچا تھا۔ اس نے ان کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ ان کا نام تک نہیں جانتی تھی پھر بھی وہ اپنے ذہن میں ان کا تصور سجاتی تھی۔ ان کے ساتھ اپنے پاپا کا تصور سجاتی تھی اور دونوں کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو پونچھتی تھی۔

لائبہ کے یہ جذبات اپنی والدہ کی وفات سے پہلے اور بھی مہمیز ہوئے تھے ان دنوں اس کی والدہ وکٹوریہ اسپتال میں زیر علاج تھیں۔ ایک ابر آلود شام کو وہ اپنی والدہ کے بستر کے پاس بیٹھی تھی۔ کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔ والدہ نے لائبہ کا ہاتھ اپنے سرد ہاتھ میں تھاما اور نحیف لہجے میں کہا تھا ''لائبی! میں جانتی ہوں تیرے پاپا اندر سے بڑے دکھی ہیں میں ان کا دکھ دور کرنے کی بڑی کوشش کرتی رہی ہوں تھوڑی بہت کامیاب ہوئی ہوں لیکن پوری طرح نہیں ہو سکی تو بھی جانتی ہے نا ان کا دکھ؟''

''ہاں ماں! جانتی ہوں۔''

''لائبی! محبت کسی نے بھی کی ہو کسی کے ساتھ بھی کی ہو وہ قابل قدر ہوتی ہے۔ میں نے بھی ہمیشہ اس محبت کی قدر کی جو تمہارے پاپا نے پاکستان میں کی تھی میرے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ تمہارے پاپا مجھ سے ویسی محبت کیوں نہیں کرتے محبت تو دل کے اندر بہت گہرائی میں جلنے والی روشنی ہے۔ اس

روشنی تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی اسے جلا سکتا ہے اور نہ بجھ سکتا ہے ہاں یہ بات ہے لائبی کہ تمہارے پاپا بہت اچھے ہیں وہ اچھے ہیں نا؟"

لائبہ نے نمناک آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

اس کی ماں کچھ دیر تک گہری خاموشی سے چھت کو گھورتی رہیں تھیں پھر کھوئی ہوئی آواز میں بولی تھیں "تو مجھ سے وعدہ کر میری بچی اگر...... اگر مجھے کچھ ہوگیا تو تو اپنے پاپا کو سنبھالے گی ان کا ہر طرح خیال رکھے گی اور...... وہ کام بھی کرے گی جو میں نہیں کر سکی۔"

لائبہ رونے لگی تھی "ماماں' آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

انہوں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا "تو سمجھ رہی ہے نا میں کیا کہہ رہی ہوں میرے آرزو ہے لائبی...... میری آخری آرزو ہے' تمہارے پاپا اور تمہاری پہلی ماں مل جائیں تو مجھ سے وعدہ کر لائبی تو یہ بات ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھے گی تجھے جب بھی موقع ملا تو پاکستان جائے گی اپنی پہلی ماں کو تلاش کرے گی تو اپنے پاپا کو اور اپنی ماں کو ملائے گی تو مجھ سے وعدہ کر۔"

مرحومہ ماں کے الفاظ ایک بازگشت کی طرح لائبہ کے کانوں میں گونج رہے تھے اور یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا وہ جب بھی تنہا ہوتی تھی یہ الفاظ اس کی سماعت کا رخ کر لیتے تھے...... اور یہ بات صرف ان الفاظ تک ہی محدود نہیں تھی۔ اس نے خود بھی اپنے پاپا کا درد محسوس کیا تھا۔ اس نے بارہا ان کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے کرب کو پڑھا تھا۔ ان لمحوں میں وہ ان کے پاس ہوتے ہوئے بھی پاس نہیں ہوتے تھے کئی بار لائبہ کا دل چاہا تھا وہ پاپا کے بے پناہ درد کے ماخذ کو ڈھونڈے اس وجہ کو تلاش کرے جس نے پاپا کو برسوں سے بے چین رکھا ہوا ہے۔

اور اب وہ موقع شاید آگیا تھا' لائبہ اب بچی نہیں تھی وہ ایک نوجوان لڑکی تھی' ذہانت اور معاملہ فہمی میں بھی وہ کسی سے کم نہیں تھی۔ اس نے بہت جلد محسوس کر لیا تھا کہ ڈاکٹر عنبرین اور اس کے پاپا ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں۔ ذہن میں شک کے جاگنے کے فوراً بعد اس کے اندر ہلچل مچ گئی تھی۔ یہ سوال اس کے دماغ میں بے حد شدت سے ابھرا تھا کہ کہیں ڈاکٹر عنبرین ہی تو وہ خاتون نہیں جن کی وجہ سے پاپا کی زندگی میں ایک "نہ پر ہونے والا خلا" موجود ہے یہ ویسی ہی من موہنی خاتون تھیں جن کا تصور لائبہ نے ذہن میں سجا رکھا تھا۔ لانبا قد' چھریرا بدن' تقریباً چالیس سال کی عمر' باوقار چہرہ اور حسین آنکھوں میں تیرتا ہوا ایک بے نام دکھ۔ لائبہ کے دل سے ایک آواز بلند ہوئی تھی اس کی چھٹی حس نے پکار کر کہا تھا ہاں یہی ہے وہ ہستی جس کی اسے تلاش تھی۔

آنے والے دس پندرہ دنوں میں وہ اسپتال میں ایڈمٹ رہی تھی اور ان دس پندرہ دنوں میں ہی لائبہ کو پختہ یقین ہوگیا تھا کہ ڈاکٹر عنبرین ہی اس کی پہلی ماں ہیں۔ اس نے پاپا سے تو بات نہیں کی تھی لیکن بڑی احتیاط کے ساتھ انکل طارق کو ہمراز بنالیا تھا اور پھر انکل طارق نے تصدیق کر دی تھی کہ بڑی ڈاکٹر صاحبہ (ڈاکٹر عنبرین) ہی پاپا کی پہلی بیوی ہیں۔ اس تصدیق کے بعد لائبہ اور انکل طارق نے تہیہ کیا تھا کہ وہ ان دونوں "بچھڑے ہوؤں" کے لیے کچھ کریں گے۔

ان دونوں نے پروگرام ترتیب دیا تھا اور اس پر پچھلے کئی روز سے عمل ہو رہا تھا گھر آنے کے بعد بھی لائبہ گاہے بگاہے درد کی شکایت کرتی رہی تھی۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ ڈاکٹر عنبرین جو آپریشن کے بعد سے غائب ہیں خود اسے دیکھنے آئیں لیکن یہ تدبیر کچھ زیادہ کارگر نہیں ہوئی تھی معلوم ہوا تھا کہ ڈاکٹر عنبرین لاہور میں ہے ہی نہیں۔ ان کی معاون ڈاکٹر ثوبیہ ہی لائبہ کو دیکھنے آتی رہی تھی' ڈاکٹر ثوبیہ ڈاکٹر عنبرین کی سینئر معاون تھیں ان کی عمر تیس پینتیس سال تھی لائبہ نے کئی بار ڈاکٹر ثوبیہ کو ٹٹولنے کی کوشش کی لیکن اسے ڈاکٹر عنبرین کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم نہ ہو سکی جس سے پتا چلتا کہ وہ لاہور میں ہی ہیں۔

ڈاکٹر ثوبیہ جتنی دیر لائبہ کے پاس موجود رہتی تھی لائبہ مسلسل اس کے کان کھاتی رہتی تھی وہ ڈاکٹر عنبرین کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش رکھتی تھی۔ اس روز بھی جب ڈاکٹر ثوبیہ لائبہ کے معائنے کے لیے آئی تو لائبہ نے اپنا پسندیدہ موضوع چھیڑ دیا۔ "ڈاکٹر ثوبیہ کیا بڑی ڈاکٹر صاحبہ ہمیشہ سے ایسی ہی خاموش طبع ہیں یا کچھ عرصے سے ہوئی ہیں؟"

"مجھے ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے تین سال ہوئے ہیں۔ تین سال سے تو انہیں ایسے ہی دیکھ رہی ہوں۔"

"آپ کہتی ہیں کہ انہوں نے شوہر سے طلاق نہیں لی اس کا مطلب ہے کہ ان کے دل کے کسی گوشے میں شاید اب بھی......"

"نہیں لائبہ!" ڈاکٹر ثوبیہ نے گہری سانس لی "طلاق نہ لینے کی وجہ یہ نہیں بس مجھے تو لگتا ہے کہ ان کے نزدیک اس معاملے کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہی۔ ان کی ساری توجہ اپنے پروفیشن کی طرف چلی گئی ہے۔ اب بس یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔"

"لیکن دل میں کہیں نہ کہیں تو کوئی پھانس چبھی ہوگی۔"

"ہم تو اندازے ہی لگا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر ثوبیہ نے کہا۔

لائبہ اٹھ کر بیٹھ گئی "اچھا...... میری پیاری باجی جان مجھے بالکل سچ سچ بتائیں بڑی ڈاکٹر صاحبہ لاہور میں ہیں یا نہیں؟"

"میری پیاری لائبہ' ڈاکٹر ثوبیہ نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا "میں تمہیں ایک سو پچاس مرتبہ بتا چکی ہوں کہ وہ واقعی لاہور میں نہیں ہیں مجھے تو شک ہے کہ شاید پاکستان میں ہی نہیں ہیں مجھے لگتا ہے کہ ان کی طبیعت کچھ خراب تھی۔"

"عجیب بات ہے ڈاکٹر آپ ان کے اتنے قریب ہیں پھر بھی آپ صرف اندازوں میں بات ہی کرتی ہیں۔"

"سچ پوچھو لائبہ تو ڈاکٹر بڑی الگ تھلگ زندگی گزارتی ہیں بلکہ کسی حد تک پراسرار بھی۔"

"پتا نہیں کیوں میرا چاہتا ہے کہ ڈاکٹر کہ میں بڑی ڈاکٹر صاحبہ کو کم از کم ایک بار مسکراتے دیکھوں کیا وہ کبھی آپ کے سامنے بھی مسکراتی ہیں؟"

"سچ جواب تو یہ ہے کہ نہیں کسی اور کا تو پتا نہیں لیکن میں نے انہیں کبھی مسکراتے نہیں دیکھا جن خواتین کو ایسے صدموں سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان کی زندگی کافی تلخ ہوتی ہے لیکن ہماری ڈاکٹر صاحبہ کی زندگی کچھ زیادہ ہی تلخ اور روکھی پھیکی ہے۔"

لائبہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☆☆☆

پورا ایک مہینہ گزر گیا لیکن ڈاکٹر عنبرین کی صورت لائبہ کو نظر نہیں آئی۔ اس دوران میں لائبہ کا معمول کا چیک اپ ہوتا رہا۔ اس کی حالت تیزی سے بہتر ہو رہی تھی وہ اب تقریباً معمول پر آچکی تھی۔ ایک روز صبح دس بجے کے لگ بھگ انکل طارق آئے انہوں نے آتے ساتھ ہی پوچھا "لائبی! وہ تیرا سڑیل پاپا کہاں ہے؟"

"آپ ہی کو پتا ہوگا اچھے بھلے گھر میں رہتے تھے آپ نے ان کے لیے شوروم کھلوا کر ان کے لیے گھر سے نکلنے کا بہانہ مہیا کر دیا ہے۔"

"میری نادان بھتیجی! اگر وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گا تو ہم پلاننگ کیسے کریں گے اور ویسے بھی کام والے بندے کے لیے بے کار بیٹھنا بہت بڑا عذاب ہوتا ہے۔"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں۔" لائبہ نے کہا "لیکن آج آپ صبح سویرے کیسے ٹپک پڑے۔"

"تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔" طارق بٹ نے کہا "تمہاری وہ ڈاکٹر عنبرین صاحبہ لاہور واپس آگئی ہیں میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی انہیں دیکھ کر آیا ہوں۔ اپنی گاڑی میں گائنی سینٹر جا رہی تھیں۔"

"اوہ' ونڈرفل۔" لائبہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا "میں کسی ایسی ہی خبر کی منتظر تھی۔"

"کیوں؟ کیا پروگرام ہے...... کہیں اپنی پہلی ممی کو اغوا کرنے کا ارادہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں انکل مجھے امید ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی میں ممی سے براہِ راست بات کروں گی۔"

"کیا بات کرو گی؟"

"یہ ایک ٹاپ سیکرٹ ہے۔" وہ آنکھیں گھما کر بولی۔

"انکل اور بھتیجی کے درمیان کوئی ٹاپ سیکرٹ نہیں ہے۔ یہ ہم دونوں کا سانجھا منصوبہ ہے وہ انگریزی میں کیا کہتے ہیں جوائنٹ وینچر......"

لائبہ نے اپنا منہ طارق بٹ کے کان کے قریب کیا اور سرگوشیوں میں بات کرنے لگی' طارق بٹ اثبات میں سر ہلاتا رہا اور پلیٹ میں سے گلاب جامن اٹھا اٹھا کر منہ میں رکھتا رہا۔ لندن اور لندن کے دبالوں کو خدا حافظ کہہ کر طارق بالکل ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ اس کے چہرے پر وہی آسودگی نظر آتی تھی جو مادر وطن کی آغوش میں "واپس" پہنچنے والوں کے چہرے پر نظر آیا کرتی ہے۔

اگلے روز لائبہ نے ٹیپ ریکارڈر پر 90 منٹ کی ایک کیسٹ اپنی آواز میں ریکارڈ کی تھی۔ اس نے کیسٹ کے ذریعے ڈاکٹر عنبرین کو مخاطب کیا اور بڑے درد بھرے لہجے میں وہ سارے دکھ سنا دیے جو کئی برسوں سے اس کے معصوم دل کو کچوکے لگا رہے تھے۔ اس نے ڈاکٹر عنبرین کو بڑی ممی کہہ کر مخاطب کیا تھا اور انہیں بتایا تھا کہ وہ ان کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہے۔

کہتے ہیں کہ جو بات دل سے نکلتی ہے وہ اثر کرتی ہے۔ لائبہ بھی جو کچھ کہہ رہی تھی وہ اس کے دل سے نکل رہا تھا وہ بڑی روانی سے بولتی چلی گئی۔ اس نے بڑی ممی کو اپنے پاپا کے بیتے برسوں کی کتھا سنائی وہ ساری بے قرار راتیں' وہ سارے بے کل دن...... بدلتے موسموں کا سارا کرب گزرتے تہواروں کی ساری تڑپ اس نے اپنے پاپا کے سارے دکھڑے سچے کھرے الفاظ میں بیان کر ڈالے۔ اس نے کچھ بھی چھپا کر نہیں رکھا اور نہ ہی اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا۔

آخر میں اس نے گلوگیر آواز میں کہا "بڑی ممی میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں کہ پاپا نے آپ کو کبھی ایک لمحے کے لیے بھلایا نہیں ہے۔ آپ کا غم پل پل ان کی آنکھوں میں جلتا رہا ہے ان کے سینے میں پلتا رہا اور بڑھتا رہا وہ بہت بڑے دل کے مالک ہیں انہوں نے اپنے دکھ پر بہت سے خول چڑھا رکھے تھے لیکن یہ دکھ اتنا شدید تھا کہ ہر کیموفلاج کو توڑ کر اپنی جھلک دکھاتا تھا۔ میں اور ممی کچھ نہ جانتے ہوئے بھی سب کچھ جانتے تھے ہم دونوں پہروں بیٹھ کر آپ کے بارے میں سوچتے تھے آپ کے تصوراتی ہیولے بناتے تھے' آپ تک پہنچنے اور آپ کو منانے کی تدبیریں سوچتے تھے آپ سے ملنا ممی کی بہت بڑی خواہش تھی وہ اکثر مجھ سے کہا کرتی تھیں کاش میں جان دے کر بھی تمہارے پاپا اور تمہاری پہلی ممی کو ملا سکوں۔ وہ

اپنے طور پر آپ کا کھوج لگانے کی بہت کوشش کرتی رہیں پھر جب دادی جان اپنی وفات سے کچھ عرصے پہلے لندن آئیں تو ممی نے ان سے بھی آپ کے حالات جاننے کی بہت کوشش کی لیکن پاپا نے دادی کو شاید بڑی سختی سے منع کر رکھا تھا۔ انہوں نے بہت کوشش کے باوجود ہمیں آپ کے بارے میں کچھ بتا کر نہیں دیا۔ میں آپ کو کیا بتاؤں بڑی ممی کہ آپ کو اور پاپا کو ایک ساتھ دیکھنے کی کتنی تمنا تھی ممی کو مجھے لگتا ہے کہ وہ دنیا سے جاتے جاتے اپنی تمنا میرے اندر منتقل کر گئی ہیں۔ جو ان کے خیالات ہوتے تھے اب وہی میرے ہیں' کہیں اپنے پاپا کو اور آپ کو پھر سے ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔

بڑی ممی! میرا یقین کریں پاپا بڑے اچھے ہیں ہوسکتا ہے کہ ان سے کہیں کوئی غلطی ہوئی ہو اور یقیناً ہوئی ہوگی ورنہ آپ جیسی مہربان ہستی ان سے دور کیوں ہوتی غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں بڑی ممی...... اور پاپا بھی انسان ہیں اگر ماضی میں ان سے کوئی غلطی کوتاہی ہوئی ہے۔ تو پلیز آپ انہیں معاف کردیں۔ ان کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگ لیتی ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھ آپ کے سامنے جوڑ دیے ہیں۔ اگر یہ وڈیو ٹیپ ہوتی تو آپ میرے ہاتھ دیکھ سکتی تھیں۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کو میری کچھ باتیں عجیب لگی ہوں آپ نے سوچا ہو کہ یہ باتیں میری عمر اور حیثیت کے مطابق نہیں ہیں۔ مجھے خود بھی لگ رہا ہے کہ ایسا ہوا ہے بہر حال یہ سمجھ کر درگزر کر دیجئے کہ بہت عرصے سے میرے اندر یہ لاوا پک رہا تھا۔ اب ٹیپ ریکارڈ کے سامنے بیٹھی ہوئی تو یوں لگا ہے کہ سینے میں کچھ پھٹ سا گیا ہے۔

آخر میں ایک بار پھر گزارش کرتی ہوں کہ میں اپنی بڑی ممی کے جواب کی شدت سے منتظر رہوں گی لہٰذا آپ جواب ضرور دیں۔ اس کیسٹ کے ساتھ اپنا فون نمبر اور ایڈریس وغیرہ ارسال کر رہی ہوں۔ میل ایڈریس بھی اس میں موجود ہے۔

آپ کی منتظر بیٹی...... لائبہ احسن

یہ کیسٹ کوریئر کے ذریعے لائبہ نے ڈاکٹر عنبرین کے ایڈریس پر بھیج دی اور ردِعمل کا انتظار کرنے لگی۔

تقریباً 48 گھنٹے کے بعد اس کا انتظار شدت اختیار کر گیا فون کی ہر گھنٹی پر وہ چونک اٹھتی تھی' کمپیوٹر کو بھی بار بار چیک کر رہی تھی پاپا اس ساری کارروائی سے یکسر لاعلم تھے تاہم انکل طارق شریک راز تھے وہ بھی لائبہ ہی کی طرح کسی ردِعمل کے منتظر تھے۔

چار دن بعد لائبہ اور انکل طارق کا انتظار عروج پر پہنچنے کے بعد دم توڑنے لگا۔

ڈاکٹر عنبرین کے گھر میں کام کرنے والے ایک ملازم راجہ عزیز سے انکل طارق نے کسی طرح راہ و رسم پیدا کرلی تھی۔ راجہ عزیز کے ذریعے گھر کے اندرونی حالات کا کچھ نہ کچھ علم انکل طارق کو ہوتا رہتا تھا۔

پانچویں روز لائبہ نے سوکھے منہ سے کہا ''انکل کہیں ایسا تو نہیں کہ کیسٹ بڑی ممی تک پہنچی ہی نہ ہو۔''

''میرے خیال میں 80 فیصد امکان ہے کہ کیسٹ ڈاکٹر صاحبہ تک پہنچ گئی ہے' 60 فیصد امکان ہے کہ وہ مکمل کیسٹ سن چکی ہیں' 40 فیصد امکان ہے کہ وہ جواب دینے کے بارے میں سوچ رہی ہوں گی۔''

''اور جواب آنے کا امکان کتنے فیصد ہے۔'' لائبہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

''جواب آنے کا امکان آج 30 فیصد ہے۔'' کل 20 فیصد رہ جائے گا پرسوں 10 فیصد......''

''اس کا مطلب ہے کہ ترسوں یہ امکان ختم ہوجائے گا...... یعنی امکان زیرو...... ٹھیک ہے ترسوں تک انتظار کرتی ہوں پھر میں خود جاؤں گی۔'' وہ تھکے سے بولی۔

''کہاں جاؤ گی؟''

''ان کے گھر۔''

''ڈاکٹر صاحبہ نے دروازے پر جو کتا باندھ رکھا ہے اس کا وزن دو من سے کم نہیں ہوگا اور ایک دوسری بات بھی تمہیں نہیں بھولنی چاہیے ابھی تم سو فیصد تندرست نہیں ہو۔''

''سو فیصد تندرست تو دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے انکل۔'' لائبہ نے کہا اور کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆☆☆

کینٹ میں یہ ایک شاندار کوٹھی تھی۔ لائبہ نے اپنی سوزوکی آلٹو مین گیٹ کے سامنے روکی۔ اس نے چوکیدار سے کہا کہ وہ ڈاکٹر عنبرین سے ملنا چاہتی ہے۔

چوکیدار نے کہا ''خو بیگم صاحبہ! آپ اس وقت نہیں مل سکتا یہ ڈاکٹر صاحب کے آرام کا وقت ہے کسی کو بھی ملنے کا اجازت نہیں ہے۔ آپ شام چھ بجے کے بعد آئیں۔''

وہ تنک کر بولی ''میں نے ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر صاحبہ کے پی اے شرجیل صاحب سے بات کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ شام کے فوراً بعد ڈاکٹر صاحبہ کو ایک میٹنگ میں جانا ہے۔''

''کچھ بھی ہے بیگم صاحبہ...... آپ اس وقت نہیں مل سکتا' ام کو سخت آرڈر ہے۔''

ایک ڈیڑھ منٹ تک پٹھان چوکیدار اور لائبہ میں خوب بحث ہوئی پھر لائبہ چوکیدار کو تقریباً دھکیلتی ہوئی اندر چلی گئی' چوکیدار کے اشارے پر ایک رائفل بردار گارڈ دوڑا ہوا پہنچ گیا اور لائبہ کے راستے میں کھڑا ہوگیا۔ کہیں پاس سے ہی رکھوالی کا کتا بھی حق نمک ادا کرتے ہوئے شور مچا رہا تھا۔ کچھ دیر

تک خوب ہنگامہ ہوا لائبہ کسی کو خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔ شور سن کر اندر سے ایک پڑھا لکھا نوجوان ملازم برآمد ہوا۔ اس نے اپنی عینک کے پیچھے سے لائبہ کو گھور کر دیکھا اور پھر اس کا تعارف چاہا۔ لائبہ نے ایک کاغذ پر اپنا نام پتا گھسیٹ کر نوجوان کے حوالے کر دیا اور ساتھ ہی تاکید مکرر کے طور پر کہا ''ڈاکٹر صاحبہ سے کہیں میرا ملنا بے حد ضروری ہے زیادہ نہیں تو صرف پانچ منٹ مجھے دے دیں۔''

نوجوان ملازم پرچی لے کر اندر چلا گیا۔ اس کی واپسی دو تین منٹ بعد ہوئی اس نے کہا ''ڈاکٹر صاحبہ نے آپ کو ڈاکٹر ثوبیہ کی طرف ریفر کیا ہے آپ کا کیس وہی ہینڈل کر رہی ہیں۔''

''میں یہاں کیس ہینڈل کروانے نہیں آئی ہوں۔'' وہ چیخ کر بولی ''مجھے ڈاکٹر صاحبہ سے کچھ پرسنل بات کرنا ہے۔''

''ڈاکٹر صاحبہ سے ملاقات اپائنٹ منٹ کے بغیر نہیں ہوسکتی۔'' نوجوان ملازم نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

''اور اپائنٹ منٹ کی قریب ترین تاریخ یقیناً پانچ چھ ہفتے بعد کی ہوگی۔'' لائبہ نے زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر وہ نوجوان ملازم کے جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے اندرونی حصے کی طرف بڑھی گارڈ نے اسے روکنے کی کوشش کی' لائبہ نے اسے دھکیل کر دور ہٹا دیا' دوسرا گارڈ دروازہ روک کر کھڑا ہوگیا چوکیدار الگ شور مچا رہا تھا ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا تھا لائبہ کو روکنا مشکل تر ہو رہا تھا' اچانک ایک بڑی عمر کی عورت دروازے پر نمودار ہوئی اس بارعب خاتون کے چہرے پر جھریاں نمودار ہوچکی تھیں اور آنکھیں سوجی سوجی تھیں عمر ستر سال سے زائد نظر آتی تھی۔

انہوں نے ملازمین کو ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں' ملازمین نے فوراً ہدایت پر عمل کیا۔

بزرگ خاتون نے قریب آکر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''کون ہو بیٹی؟''

''لائبہ احسن شاید آپ مجھے نہ جانتی ہوں لیکن میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔''

بزرگ خاتون کی آنکھیں جیسے لائبہ کے خدوخال میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ انہوں نے لائبہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ایک کمرے میں لے آئیں۔

اس سے پہلے کہ بزرگ خاتون لائبہ سے کچھ کہتیں یا لائبہ انہیں اپنے بارے میں کچھ بتاتی اندر سے ایک نسوانی آواز آئی ''کون ہے امی؟''

لائبہ نے پہچان لیا۔ یہ ڈاکٹر عنبرین کی آواز تھی اس کی بڑی ممی کی آواز۔ بزرگ خاتون نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''یہ ایک بچی ہے تم سے ملنا چاہ رہی ہے۔''

''اومائی گاڈ۔'' ڈاکٹر عنبرین کے بڑبڑانے کی مدھم آواز آئی پھر چند سیکنڈ بعد لائبہ نے انہیں کمرے کے دروازے پر دیکھا۔ لانبا قد۔ گداز جسم جواب بھی پرکشش تھا۔ اگر انہوں نے اپنے بال بہت کھینچ کر نہ باندھ رکھے ہوتے اور چہرے پر تناؤ کی کیفیت نہ ہوتی اور لباس پر تھوڑی سی توجہ دی ہوتی تو وہ ٹھیک ٹھاک نظر آسکتی تھی۔ لائبہ نے ایک ہی نگاہ میں اپنی بڑی ممی کی ہر خوبی خامی کو نوٹ کیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر عنبرین بھی ساکت نظروں سے لائبہ کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ ان کے ہونٹ مضبوطی سے بھنچے ہوئے تھے آنکھوں میں غصے اور اضطراب کی ملی جلی کیفیت تھی چند سیکنڈ کے اندر جیسے وہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ گئیں انہوں نے بزرگ خاتون سے کہا۔

''امی میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں میں اس بچی سے ذرا اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔''

بزرگ خاتون بلاتردد دوسرے کمرے میں چلی گئیں' ڈاکٹر عنبرین نے دروازہ بند کر دیا کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔

''ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے؟'' ڈاکٹر عنبرین نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ نے کیسٹ سن لی تھی؟''

''ہاں سن لی تھی۔'' سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔

''آپ...... نے کیا محسوس کیا؟''

''میں جو محسوس کرتی ہوں وہی بتانے کے لیے تمہارے پاس یہاں بیٹھی ہوں۔'' ڈاکٹر عنبرین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کی بات پوری توجہ سے سن رہی ہوں۔''

''لائبہ میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں تمہارا اور میرا کوئی براہِ راست رشتہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود تم میرے بارے میں جس انداز سے سوچ رہی ہو وہ قابل قدر ہے۔ یہاں تمہاری مرحومہ والدہ کا ذکر نہ کرنا بھی ناانصافی ہوگی انہوں نے میرے بارے میں جو کچھ سوچا اور جو محسوس کیا وہ بہت کم لوگ سوچتے اور محسوس کرتے ہیں میں ان سے کبھی نہیں ملی اور نہ مل سکوں گی لیکن ان کے لیے میرے دل میں ہمیشہ جگہ موجود رہے گی۔''

یہاں تک کہہ کر ڈاکٹر عنبرین نے ذرا توقف کیا اور پھر بدلے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا ''لائبہ! ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اسی طرح عورت مرد کے پیار اور تعلق کا بھی ایک وقت ہوتا ہے یہ حقیقت ہے کہ ایک وقت میں نے احسن سے ٹوٹ کر محبت کی تھی' احسن کے بغیر زندگی کا تصور ہی میرے لیے ناممکن تھا...... لیکن حالات ہمیں وہ کچھ دکھاتے ہیں جو ہمارے

سان گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ میں بھی حالات کے مسلسل دھکے کھانے کے بعد ایسی منزل پر پہنچ گئی جہاں میرے لیے زندگی احسن کے بغیر ممکن ہوگئی نہ صرف ممکن ہوگئی بلکہ احسن کے نام کے ورق ہی میری زندگی کی کتاب سے پھٹ گیا اور اب میں ایک ایسی اسٹیج پر پہنچ چکی ہوں جہاں میری زندگی اور احسن دو بالکل علیحدہ چیزیں ہیں۔"

ایک تھکی تھکی طویل سانس لینے کے بعد عنبرین نے سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا "لائبہ! میری تم سے درخواست ہے تم ایک ایسی کوشش میں وقت ضائع مت کرنا جس کا نتیجہ ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں جو وقت گزر گیا سو گزر گیا۔ اب وہ پلٹ کر نہیں آسکتا اور اس کے آنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں تم نے کہانیوں اور فلموں ڈراموں میں اس قسم کی سچوئیشنز دیکھی ہوں گی۔ بچھڑے ہوئے لائف پارٹنرز پھر ملتے ہیں یا ان دونوں کے مشترکہ خیر خواہ انہیں پھر سے ملاتے ہیں وہ اپنے ٹوٹے تعلق کو نئے سرے سے جوڑتے ہیں اور زندگی کو پھر وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے منقطع ہوئی تھی۔ یہ بڑا رومانی سا خیال ہے اس میں کشش بھی ہے لیکن یہ سب کچھ تو وہاں ہوتا ہے جہاں پیار مرا نہیں ہوتا۔ وہ کسی نہ کسی درجے میں زندہ ہوتا ہے یا کم از کم اس میں زندگی کی رمق باقی ہوتی ہے لیکن میری بیٹی! یہاں اب کچھ باقی نہیں رہا۔ میں تہ دل سے تمہیں بتا رہی ہوں یہاں اب کچھ نہیں۔ تم میرے حال پر رحم کرنا اور مجھے کسی ایسی مشکل میں نہ گھسیٹنا جس کی مجھ میں تاب نہیں۔"

"لیکن آپ میری بات۔"

"نہیں لائبہ ہم اس موضوع پر مزید بات نہیں کرسکیں گے۔ میں نے تم سے جو کہنا تھا وہ نرم ترین الفاظ میں کہہ دیا ہے تمہارے یا تمہارے پاپا کے ذہن میں اگر میرے حوالے سے کوئی بھی سوچ ہے تو اسے کھرچ ڈالو میں نے تمہیں بتایا ہے نا یہ ورق میری زندگی کی کتاب سے علیحدہ ہو چکا ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتیں ساتھ والے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی وہ چند لمحے انتظار کرتی رہیں پھر فون سننے کے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

لائبہ کا دل بجھ سا گیا تھا وہ گم صم بیٹھی رہی اور خالی خالی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتی رہیں ایک ملازمہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر لائی۔ ملازمہ کے کپڑے بے حد سادہ تھے اوڑھنی اس نے مضبوطی سے سر اور کانوں کے گرد لپیٹ رکھی تھی۔ اس کے علاوہ بھی لائبہ کو گھر میں ایک دو ملازمائیں نظر آئی تھیں وہ بھی اسی طرح سادگی کی تصویر نظر آتی تھیں بال کھینچ کر باندھے ہوئے' بے رنگ سے کپڑے' ہونٹوں پر خاموشی اور سنجیدگی کی مہر۔ یہی خاموشی اور سنجیدگی گھر کے در و دیوار سے بھی چپکی ہوئی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے لائبہ کے ذہن میں ایک دلگداز سا خیال تھا وہ سوچ رہی تھی کہ شاید بڑی ممی کے گھر کے کسی کونے کھدرے میں پاپا اور بڑی ممی کی کوئی تصویر اب بھی موجود ہو لیکن ایسی تصویر تو دور کی بات تھی گھر میں سرے سے کوئی تصویر ہی نظر نہیں آتی تھی۔ بس ڈرائنگ روم میں دو تین پینٹنگز تھیں یہ بھی میڈیکل کے حوالے سے تھیں' وکٹوریہ دور کے ڈاکٹرز تھے جو وکٹوریہ دور کے مریضوں کے علاج میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ ایک بڑی تصویر کا تعلق شاید پندرہویں سولہویں صدی سے تھا۔ لمبے لمبے بالوں والے معالج ایک مریض کا آپریشن قدیم اوزاروں کی مدد سے کر رہے تھے۔

ڈاکٹر عنبرین ابھی تک فون سننے میں مصروف تھیں وہ کسی غیر ملکی ڈاکٹر سے پیشہ ورانہ گفتگو میں مصروف تھیں۔ لائبہ نے موقع غنیمت جان کر اردگرد کے کمروں میں نگاہ دوڑائی ایک ادھ کھلے دروازے سے اسے ایک شاندار اسٹڈی روم کی جھلک نظر آئی۔ یہ اسٹڈی روم ایک وسیع لائبریری کی شکل میں تھا' دیوار گیر الماریوں میں سیکڑوں کتابیں چنی نظر آتی تھیں وہ چند قدم آگے بڑھی اور ان جہازی سائز کی الماریوں کو دیکھنے لگی۔

اچانک ڈاکٹر عنبرین کی آواز نے اسے چونکا دیا "کیا دیکھ رہی ہو؟"

"آپ کی لائبریری زبردست ہے' میرا بھی دل چاہتا ہے کہ ایسی ہی لائبریری ہو میرے پاس...... میں...... پاپا سے کہوں گی۔"

"یہ اچھا شوق ہے لیکن میرا نہیں خیال کہ تمہارے پاپا تمہارا یہ شوق پورا کریں گے۔" ڈاکٹر عنبرین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں کریں گے؟"

"وہ کتابوں سے بہت الرجک رہے ہیں خاص طور سے میری کتابوں نے تو انہیں بہت دکھ دیے ہیں ایک بار تو نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ انہوں نے میری کتابوں کو منحوس لائبریری قرار دیا تھا...... بہرحال یہ سب ماضی کی باتیں ہیں انہیں دہرانے سے کچھ حاصل نہیں۔" ڈاکٹر عنبرین نے ایک دم موضوع بدلتے ہوئے کہا "غالباً انہیں احساس ہوا تھا کہ انہیں ایسا موضوع نہیں چھیڑنا چاہیے۔

وہ لائبہ کو لائبریری سے نکال کر واپس پہلے والے کمرے میں لے آئیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اب جلد از جلد لائبہ سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھیں۔ چائے پیتے ہی وہ کہیں جانے کے لیے تیار نظر آنے لگیں "آپ کہیں جا رہی ہیں۔" لائبہ نے پوچھا۔

"ہاں' آئی ایم سوری میرا جانا ضروری ہے۔ ہیلتھ منسٹر کے ساتھ بڑی اہم میٹنگ ہے۔" وہ چند لمحے تک اپنی بڑی بڑی

آنکھوں سے لائبہ کی آنکھوں میں جھانکتی رہیں پھر بولیں "تم بڑی اچھی لڑکی ہو تمہاری سوچ بھی بڑی اچھی ہے...... لیکن پلوں کے نیچے سے جو بہت سا پانی گزر چکا ہے اسے ہم واپس نہیں لاسکتے مجھے معاف کر دینا۔"

ڈاکٹر کے اٹل لہجے نے لائبہ کو روہانسا کر دیا۔ وہ آزردہ لہجے میں بولی "کیا ہم دونوں کبھی بھی مل سکتے ہیں؟"

"میرے بس میں ہو لائبہ تو میں تم سے روز ملنا چاہوں لیکن یہ میرے اختیار میں نہیں میری زندگی تمہارے پاپا کی زندگی سے بہت دور نکل چکی ہے۔"

"لیکن میں پاپا کی بات تو نہیں کر رہی اپنی بات کر رہی ہوں۔"

"یہ ایک ہی بات ہے لائبہ...... آئی ایم رئیلی ویری سوری...... مجھے معاف کر دینا۔"

وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں ان کی نگاہ کئی بار اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف اٹھ چکی تھی۔

"نہیں آپ اس تعلق کو اس طرح ختم نہیں کرسکتیں آپ کو کبھی کبھار مجھ سے ملنا ہی ہوگا۔" لائبہ کے لہجے میں کسی ضدی بچے کا سا اصرار تھا۔

ڈاکٹر عنبرین نے کوئی جواب نہیں دیا ان کے دونوں موبائل فونز کی گھنٹیاں بار بار بج رہی تھیں۔ انہوں نے ایک فون کی کال ریسیو کی اور بات کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

شروع میں لائبہ کا ارادہ تھا کہ وہ پاپا کو اپنی اور انکل طارق کی مہم جوئی کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گی شاید اسے امید تھی کہ وہ اپنی کوششوں میں جلد ہی کامیاب ہوجائے گی اور پاپا کی زندگی کا ایک یادگار سرپرائز دینے میں کامیاب ہوگی لیکن ڈاکٹر عنبرین یعنی بڑی ممی سے ملنے کے بعد اور ان کی باتیں سننے کے بعد لائبہ کے سینے میں آس کے دیے ٹمٹمانے لگے تھے۔ دو تین روز بعد اس نے پاپا سے سب کچھ کہہ ڈالا۔ اس نے پہلے تو پاپا پر یہ انکشاف کیا کہ وہ بالآخر اپنی پہلی ماں کے بارے میں جان گئی ہے...... پھر یہ بھی بتا دیا کہ کیسٹ بھیجنے کے بعد وہ بڑی ممی سے ملنے بھی گئی تھی، وہاں جو باتیں ہوئی تھیں وہ بھی اس نے پاپا کے گوش گزار کر دیں۔

احسن کے لیے یہ خبر ہی بہت بڑی تھی کہ لائبہ عنبرین کو اپنی بڑی ماں کی حیثیت سے جانتی ہے لیکن اس اطلاع نے تو اسے ہلا کر رکھ دیا کہ لائبہ عنبرین کے گھر جا کر اس سے باقاعدہ بات بھی کر چکی ہے۔

وہ سب کچھ تحمل سے سنتا رہا اس نے درمیان میں لائبہ سے کئی سوالات بھی کیے آخر میں وہ بولا "لائبی! میرا خیال ہے کہ اس نے ٹھیک ہی کہا ہے وہ ہم سے بہت دور جا چکی ہے اور صرف دور ہی نہیں گئی بہت بدل بھی گئی ہے۔ تم جانتی ہی ہو کہ اس نے تمہارے آپریشن سے صاف انکار کر دیا تھا یہ میرے لیے بہت بڑا دھچکا تھا میں تصور بھی نہ کرسکتا تھا کہ وہ ایسی شدید ایمرجنسی میں اس قسم کا کاروباری رویہ اپنائے گی...... بعد میں وہ آپریشن پر راضی ہوگئی...... میرا اندازہ ہے کہ اس میں بھی اس کی کاروباری مصلحت کو دخل تھا۔ اس وقت ہم اسلام آباد کے ایک اور پرائیوٹ کلینک کا رخ کرنے کا سوچ رہے تھے اور اس کلینک کا ایک ایم ڈی' عنبرین کا کاروباری رقیب ہے۔ بہرحال عنبرین نے اپنے کلینک میں تمہارا آپریشن کیا اور اس کا پورا پورا معاوضہ بھی وصول کیا۔ بعد از آپریشن "وزٹ" کرنے میں بھی اس نے ہم سے کسی طرح کی رو رعایت نہیں کی۔ تم یہ سب کچھ اچھی طرح جانتی ہو۔"

"لیکن پاپا! آپ کو یہ بھی بات ماننا پڑے گی کہ قدرت نے ڈاکٹر عنبرین کو میری زندگی بچانے کی وسیلہ بنایا ڈاکٹر عنبرین نے جو آپریشن کیا اس کی پیچیدگی اور مشکلات تذکرہ بہت سے لوگوں نے کیا ہے بلکہ اس کے بارے میں اخبارات نے بھی لکھا ہے۔"

"میں یہ سب کچھ مانتا ہوں لائبی...... بلکہ میں تو اپنی ماضی کی غلطیاں بھی تسلیم کرتا ہوں میں عنبرین کے سامنے بھی اعتراف کرسکتا ہوں کہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں اور میں ان غلطیوں پر شرمندہ ہوں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی...... نہ اس وقت ایک ہاتھ سے بجی تھی جب تعلق برباد ہوا تھا۔ نہ ایک ہاتھ سے بج سکتی ہے جب ہم تعلق جوڑنے کا سوچ رہے ہیں' میں نے پچھلے ڈیڑھ دو ماہ میں عنبرین کا رویہ بڑی اچھی طرح دیکھا ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے اس کی زندگی میں اپنے اور تمہارے لیے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔"

"نہیں پاپا میں آپ کو اتنی آسانی سے ہمت نہیں ہارنے دوں گی۔" لائبہ نے وجدانی لہجے میں کہا اور اندر چلی گئی۔

احسن اپنی جگہ گم صم بیٹھا رہا۔ سال کی اس آخری شام کو لندن کے اس پرشور ریسٹورنٹ کے سامنے جو برف پگھلنا شروع ہوئی تھی وہ ابھی بھی پگھل رہی تھی۔ اس برف کا پانی گرم ہو کر احسن کے سینے میں اودھم مچاتا تھا اور کبھی کبھی آنکھوں تک بھی چلا آتا تھا وہ رات کو تکیے پر سر رکھتا تھا تو تصور میں عنبرین کی شبیہ ابھرتی تھی وہ اس سے معافی مانگتا تھا تصور ہی تصور میں اسے مناتا تھا لیکن وہ تصور میں بھی نہیں مانتی تھی۔ ایسے میں سینے کے اندر ابلتا ہوا گرم پانی زیادہ تیزی سے اس کی آنکھوں کی طرف یورش کرنے لگتا تھا۔ ایک آواز احسن کے اندر خود کلامی کرتی تھی "وہ تمہیں بھول چکی ہے ایسا کر کے اس نے کچھ غلط نہیں کیا تم اس

قابل نہیں ہو کہ یاد رکھا جاتا...... ہاں تم اس قابل نہیں ہو۔

☆☆☆

لائبہ اس کوشش میں لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح اس دیوار میں در پیدا کر سکے جس کا نام ڈاکٹر عنبرین ہے۔ اس نے ایک اور کیسٹ ریکارڈ کر کے اپنی بڑی ممی کو بھیجی تھی لیکن پہلی کی طرح یہ بھی بے اثر رہی تھی۔ وہ اکثر بڑی ممی کو فون بھی کرتی رہی تھی یہ فون ایک بار بھی بڑی ممی نے خود ریسیو نہیں کیا تھا۔ صرف ایک بار ''بڑی ممی'' کی والدہ نے بات کی تھی لائبہ کو ان کے لب و لہجے میں کسی حد تک ہمدردی اور لگاوٹ محسوس ہوئی تھی۔ انہوں نے دبے لفظوں میں لائبہ کو بتایا تھا کہ وہ اس کے بارے میں جان چکی ہیں وہ احسن کی بیٹی ہے انہوں نے چند لفظوں میں احسن یعنی اپنے داماد کی خیر خیریت بھی پوچھی تھی۔ لائبہ نے کوشش کی تھی کہ وہ اس بارے میں مزید کچھ بات کریں لیکن انہوں نے فوراً ہی موضوع بدل ڈالا تھا۔

بڑی ممی سے فون پر رابطہ کرنے میں ناکام ہونے کے بعد لائبہ نے دو بار ان کے گھر پر بھی ہلہ بولا تھا ایک بار تو انکل طارق کی اطلاع غلط ثابت ہوئی تھی۔ بڑی ممی گھر پر ہی نہیں تھیں۔ دوسری مرتبہ وہ گھر پر تو تھیں لیکن آسٹریلیا کے ڈاکٹروں کا ایک وفد ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ٹی وی والے بھی اپنے ساز و سامان کے ساتھ ادھر ادھر پھر رہے تھے۔

احسن شوروم گیا ہوا تھا۔ لائبہ گھر میں اکیلی تھی، طارق بٹ موقع دیکھ کر آ دھمکا ''ہاں بھتیجی اب کیا ارادے ہیں؟''

''میرا تو دل چاہتا ہے کہ انکل کہ کسی دن بڑی ممی کی گاڑی کے سامنے لیٹ جاؤں ان سے کہہ دوں میرے اوپر سے گزار دیں یا پھر کہیں بیٹھ کر میری بات سنیں۔''

''وہ درمیان راستہ اختیار کریں گی ایک طرف سے ہو کر نکل جائیں گی۔'' طارق نے اطمینان سے کہا۔

''تو پھر کیا کروں انکل؟''

''میں تو کہتا ہوں کہ اس سڑیل کی تیسری شادی کرو ......اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔'' انکل کی اشارہ لائبہ کے پاپا کی طرف تھا۔

''مذاق نہیں انکل میں دن بدن پریشان ہوتی جا رہی ہوں۔''

''بات تو واقعی پریشانی کی ہے۔'' طارق بٹ نے بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ''کل راجہ عزیز کو میں نے گھر بلایا ہوا تھا۔ اس نے بھابی عنبرین کے بارے میں کافی باتیں بتائی ہیں۔ اسے پورے آٹھ سال ہو گئے ہیں بھابی کے ہاں ملازمت کرتے ہوئے۔ وہ کہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے پچھلے چھ سات برس میں اپنی زندگی کو کچھ زیادہ ہی بدل لیا ہے، پہلے چہل کسی فنکشن میں جاتے ہوئے ہلکا سا میک اپ کر لیا کرتی تھیں لیکن اب تو میک اپ کے پاس بھی نہیں جاتیں۔ کانوں میں ہلکے سے جھمکے ہوا کرتے تھے وہ بھی عرصہ ہوا اتار دیے ہیں۔ اپنی ملازماؤں میں سے بھی کسی کو جیولری نہیں پہننے دیتیں۔ یہاں تک کہ کانچ کی چوڑیاں بھی نہیں گھر میں ریڈیو، ٹی وی، ٹیپ ریکارڈ کچھ نہیں ہے۔ پچھلے سال ایک ملازمہ کو انہوں نے صرف اس قصور پر نکال دیا تھا کہ وہ کام کرتے ہوئے گنگناتی تھی۔ ڈسپلن کی بڑی سختی سے پابندی کرتی ہیں اور کرواتی بھی ہیں۔ اکثر باہر کے ملکوں سے بھی بڑے بڑے لوگ ان سے ملنے کے لیے آتے ہیں، مہمانوں کو عین وقت آنا پڑتا ہے اور وہ بھی عین وقت پر ان کے استقبال کے لیے موجود ہوتی ہیں، شام کے بعد تک کام میں مصروف رہتی ہیں پھر اسٹڈی میں چلی جاتی ہے۔ مضامین وغیرہ لکھتی ہیں اور لیکچر تیار کرتی ہیں بس یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی الجھنوں اور پریشانیوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے انہوں نے خود کو اپنے کام میں مصروف کیا اور اتنا مصروف کر لیا کہ اب کام کے سوا کچھ باقی ہی نہیں رہا۔ ایک نہایت خشک زندگی ان کو راس آ چکی ہے اور اب وہ اس سے مطمئن ہیں۔''

انکل طارق باتیں کر رہے تھے لائبہ کے کان ان کی باتوں کی طرف تھے لیکن نگاہیں سامنے دیوار کی طرف تھیں وہ خالی خالی نظروں سے دیوار کے اس حصے کو دیکھتی چلی جا رہی تھی، جہاں کبھی کوئی تصویر آویزاں کی گئی تھی۔ تصویر اتاری جا چکی تھی لیکن فریم کا مدھم نشان ابھی تک دیوار پر موجود تھا۔

انکل طارق کی بات ختم ہوئی تو لائبہ نے کہا ''آپ کا کیا خیال ہے انکل یہ سامنے دیوار پر کس کی تصویر ہوگی۔''

''یہ تمہارے ممی ڈیڈی کا کمرا ہوا کرتا تھا، ظاہر ہے کہ یہاں ان کی تصویر ہی ہوگی۔''

''پتا نہیں کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ وہ تصویر پھر سے یہاں لگا دوں۔''

''یہ کوئی ایسا ناممکن کام تو نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ تصویر گھر میں ہی کہیں موجود ہو۔''

''ادھر اسٹور میں کچھ فریم شدہ تصویریں دیکھی تھیں میں نے، ہو سکتا ہے کہ ان میں کہیں یہ فریم بھی موجود ہو۔''

چچا بھتیجی اس وقت سیڑھیاں چڑھ کر اسٹور میں چلے گئے اور کاٹھ کباڑ میں سے تصویریں ڈھونڈنے لگے جلد ہی انہیں کامیابی حاصل ہوئی، ٹوٹی پھوٹی فریم شدہ تصویروں کے اندر سے ایک تصویر انہیں مل گئی۔ یہ اس کی پہلی ممی اور پاپا کی تصویر تھی وہ دیکھتی رہ گئی کتنی خوبصورت جوڑی تھی تصویر بھی کمال کی آئی تھی، اندازہ ہوتا تھا کہ یہ شادی کے دو چار دن بعد کی تصویر ہے۔ اس کی بڑی ممی نے کامدار بنارسی ساڑھی پہن رکھی تھی، پاپا تھری پیس سوٹ میں تھے، ممی پاپا کے ساتھ بالکل جڑ کر کھڑی تھیں پاپا کا بازو ممی کی کمر میں تھا۔ ممی کے بال شانوں پر بکھرے تھے اور ایک لٹ پاپا کی ٹھوڑی کو چھوتی ہوئی نکل رہی تھی۔ تصویر کا اینگل، اس کی روشنی اور کمپوزیشن نے مل کر اسے ایک بے مثال تصویر بنا دیا تھا۔ ایسی مکمل تصویریں لائبہ نے بہت کم دیکھی تھیں۔ اس تصویر کو دیکھ کر نجانے کیوں یہ لگتا تھا کہ اس تصویر کا عنوان محبت ہونا چاہیے۔ یہ تصویر واقعی ''محبت'' لگتی تھی۔ ممی کا ایک ہاتھ پاپا کے ہاتھ میں تھا۔ ممی کا سر تھوڑا سا اٹھا ہوا تھا اور وہ پاپا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پاپا کا سر تھوڑا سا جھکا ہوا تھا اور ان کی مسکراتی نگاہ بھی ممی پر تھی۔

لائبہ کی طرح انکل طارق نے بھی یہ تصویر دیکھی اور بے حد پسند کی۔ لائبہ نے فریم اور شیشے کو جھاڑ پونچھ کر صاف کیا اور نیچے لے آئی، انہوں نے دیوار پر موجود نشان کے اوپر تصویر رکھ کر دیکھی یہ اسی جگہ پر آویزاں کی گئی تھی، لائبہ نے ملازم سے کہا کہ وہ کارپینٹر کو بلائے تاکہ تصویر کے فریم کو درست کر کے اسے ٹھیک سے آویزاں کیا جا سکے۔

انکل طارق کے جانے کے بعد بھی لائبہ وہیں صوفے پر بیٹھی رہی اور تصویر کو اپنے سامنے میز پر رکھ کر دھیان سے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے معصوم خوشی کی کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں۔ اچانک وہ کچھ اور بھی چونک گئی، تصویر کے پس منظر میں گھر کا نہایت خوبصورت گراسی لان نظر آ رہا تھا۔ گہرے سبز لان پر موتیے کے کچھ سفید پھول بکھرے ہوئے تھے۔ بظاہر تو یہ پھول بکھرے ہوئے نظر آتے تھے لیکن...... وہ بکھرے ہوئے نہیں تھے انہیں بکھیرا گیا تھا وہ تصویر کا حصہ بن گئے تھے اور تصویر کو ایک خوبصورت مفہوم بھی دے رہے تھے یہ پھول دراصل ایک مختصر سے فقرے کی شکل میں تھے......اور وہ فقرہ تھا ''جدا نہ ہوں گے''

ایک ایک لفظ صاف پڑھا جا رہا تھا یہ بڑا خوبصورت سا بصری کرشمہ تھا۔ پھولوں کی بے ترتیبی میں ترتیب چھپی ہوئی تھی۔ یہ ترتیب نہ صرف تصویر کو متوازن کرتی تھی بلکہ بے مثال بھی بناتی تھی۔ بادی النظر میں تصویر کا یہ انوکھا پن نظر میں نہیں آتا تھا لیکن کچھ دیر تک دھیان سے دیکھا جاتا تو پتا چل جاتا تھا۔

لائبہ کافی دیر تک بڑے دھیان اور دلچسپی سے تصویر کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تصویر کو یہاں آویزاں نہیں کرے گی وہ اس سے ایک اور کام لے گی۔

وہ جمعرات کی شام تھی لائبہ اپنی گاڑی پر ڈاکٹر عنبرین کی کوٹھی پر پہنچی۔ چوکیدار اسے دیکھتے ہی الرٹ ہو گیا۔ وہ جب بھی یہاں آئی تھی کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا ہوتا تھا۔ پچھلی مرتبہ وہ کوئی بیس دن پہلے یہاں آئی تھی۔ اس وقت آسٹریلیا کے ڈاکٹروں کا ایک وفد ڈاکٹر صاحبہ سے ملنے آیا ہوا تھا۔ ٹی وی والے بھی اس میٹنگ کی کوریج کر رہے تھے لائبہ کو اندر جانے سے روکا گیا تھا وہ ضدی بچے کی طرح اٹک گئی تھی۔ اس نے کافی شور مچایا تھا۔ ملازمین اسے سنبھالنے میں ناکام رہے تھے پھر سر عادل باہر آئے تھے اور انہوں نے کسی نہ کسی طرح اسے ٹال دیا تھا۔

اب پھر وہی صورت حال پیدا ہوتی نظر آ رہی تھی، گارڈز نے لائبہ کو دیکھتے ہی گیٹ سے اندر سے بند کر دیا جیسے وہ ایک لڑکی نہ ہو پورا ایک جلوس ہو جو اس عمارت پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ حسب معمول پہلے پٹھان چوکیدار سے لائبہ کی تکرار شروع ہوئی۔ پھر گھریلو ملازم کے ذریعے لائبہ کے نام کی چٹ اندر پہنچائی گئی گھر میں موجود گاڑیوں سے لائبہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی ''بڑی ممی'' گھر میں ہی موجود ہیں چند منٹ بعد ملازم واپس آیا اور اس نے حسب معمول جھوٹ بولا کہ ڈاکٹر صاحبہ گھر میں موجود نہیں ہے۔

ابھی اس کا فقرہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ لائبہ اچانک جھکائی دے کر پٹھان چوکیدار کی بغل میں سے نکلی اور چھوٹے دروازے سے اندر گھس گئی۔ گارڈز سٹپٹا کر اس کے پیچھے لپکے لیکن وہ بھی اب سارے داؤ پیچ جان چکی تھی۔ پورچ کی طرف جانے کے بجائے وہ کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف لپکی کوریڈور سے گزر کر اندرونی حصے میں آ گئی۔ جب تک ہانپتے کانپتے گارڈز اس تک پہنچتے وہ ڈرائنگ روم میں پہنچ چکی تھی۔ فریم شدہ تصویر اس کے ہاتھ میں تھی براؤن کاغذ کے ذریعے اس نے تصویر کو پیک کر رکھا تھا۔ ایک ہٹی کٹی ملازمہ نے گارڈز کا واویلا سن کر لائبہ کو دبوچنے کی ادھوری سی کوشش کی لیکن چھریرے جسم کی پھرتیلی لائبہ کے سامنے بالکل ناکام رہی۔

''نانی جان...... نانی جان۔'' لائبہ نے پکار کر کہا۔

دو سیکنڈ بعد نانی جان یعنی عنبرین کی والدہ اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

بڑی مالکن کو دیکھ کر ملازمین اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ لائبہ بڑی اپنائیت سے ان کا بازو پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے ملازمین کو اشارہ کیا وہ لائبہ کو خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے واپس چلے گئے، باہر لان میں رکھوالی کا کتا اپنی ہمت کے مطابق شور مچا رہا تھا۔

''نانی جان...... دیکھیں...... یہ لوگ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں میں کوئی...... ڈاکو ہوں جو یہ میرے سامنے بندوقیں تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

''لیکن...... تم...... ایسا کیوں کرتی ہو بیٹی؟''

''یہ ایسا اس لیے کرتی ہے کہ اس نے ہماری زندگی حرام کرنے کے تہیہ کیا ہوا ہے۔'' یہ ڈاکٹر عنبرین کی آواز تھی جو ابھی ابھی دروازے میں آن کر کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا چہرہ غصے سے

تمتمار ہا تھا۔

"اسلام علیکم...... مم...... ممی۔" لائبہ نے بے ساختہ کہا۔

"ممی کے لفظ نے عنبرین کے غصے پر وہی کام کیا جو آگ پر تیل کرتا ہے ان کا چہرہ کچھ اور بھی تمتما گیا وہ نہایت خشک لہجے میں بولیں، "کیوں ہماری زندگی تلخ کرنے پر تلی ہوئی ہو کیا چاہتی ہو تم؟"

"میں کچھ نہیں چاہتی، میرے چاہنے سے ہونا بھی کیا ہے۔ میں تو آج آپ کو بس ایک تصویر دکھانے آئی ہوں۔" لائبہ نے دھیمے انداز میں کہا۔

"ڈاکٹر عنبرین نے کوئی جواب نہیں دیا، بس متوحش نظروں سے لائبہ کو دیکھتی رہیں۔ بوجھل خاموشی کو توڑنے کے لیے عنبرین کی والدہ نے نحیف آواز میں کہا "کیسی تصویر ہے؟"

اس سے پہلے کہ لائبہ جواب میں کچھ کہتی ڈاکٹر عنبرین چیخ کر بولیں "نہیں امی! کچھ دیکھنا دکھنا نہیں ہمیں اسے کہو یہاں سے چلی جائے۔ خدا کے لیے...... خدا کے لیے میں جس طرح جی رہی ہوں مجھے جی لینے دیں۔"

"لیکن بیٹی! اس کی بات تو سن لو۔"

"میں نے کہہ دیا نا امی! مجھے کچھ نہیں سننا...... پلیز......"

"ٹھیک ہے...... مم...... میں چلی جاتی ہوں۔" لائبہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "لیکن آپ یہ تصویر رکھ لیں۔"

عنبرین کے چہرے پر شدید کرب کے آثار نمودار ہوئے "میں نے کہہ دیا نا لائبی! مجھے کچھ لینا دینا نہیں...... مجھے بس میرے حال پر چھوڑ دو یہ تم لوگوں کا بہت بڑا احسان ہوگا مجھ پر۔"

"لیکن پلیز...... آپ یہ تصویر رکھ لیں بے شک بعد میں دیکھ لیجیے گا۔" لائبہ نے ہمت کر کے تصویر اس کی طرف بڑھائی۔

عنبرین کے چہرے پر شدید کرب نظر آیا، اس نے ہیجانی انداز میں لائبہ کا ہاتھ جھٹکا اور پاؤں پٹختی ہوئی اندرونی کمرے کی طرف چلی گئی جھٹکا لگنے سے تصویر لائبہ کے ہاتھ سے گر پڑی اور شیشہ چکنا چور ہوگیا۔

لائبہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی رہ گئی۔ عنبرین کی والدہ بیگم رضوانہ بھی ساکت کھڑی تھیں۔ تصویر کی پیکنگ پھٹ گئی تھی اور اندر سے شکستہ شیشے کے ٹکڑے جھانک رہے تھے۔ لائبہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ اس نے تصویر اٹھائی اشک بار نظروں سے بیگم رضوانہ کو دیکھا اور ایک سسکی لے کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ یہ تصویر نہیں ٹوٹی اس کے دل کے ٹکڑے ہوئے ہیں۔ اس امید کے سارے چراغ ایک دم ٹمٹمانے لگے تھے اور ان میں سے کئی بجھ گئے تھے۔

آج غیر متوقع طور پر لائبہ چیخی چلائی نہیں نہ ہی کسی طرح کے اشتعال کا اظہار کیا ٹوٹی ہوئی تصویر کو سینے سے لگا کر ہولے ہولے چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔

چوکیدار اور گارڈز وغیرہ سے غصے اور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے دیکھ رہے تھے وہ باہر اپنی گاڑی میں آبیٹھی۔ آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے شکستہ تصویر کو احتیاط سے پچھلی نشست پر رکھا...... گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس کا رونے کو دل چاہ رہا تھا وہ رونے لگی چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر ہچکیوں کے ساتھ...... دل کا غبار ہلکا کرنے لگی۔ اس کا سینہ جل رہا تھا آنکھیں جل رہی تھیں۔ پورا جسم جل رہا تھا۔ انسان کبھی کبھی اتنا سنگدل کیوں ہوجاتا ہے؟ اتنا بے حس کیوں ہوجاتا ہے؟ وہ سوچتی رہی اور گرم آنسو اس کے نازک رخساروں پر بہتے رہے۔

اچانک گاڑی کا دروازہ کھلا اس نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا، مہربان چہرے والی نانی جان اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ اپنے ناتواں جسم کو سمیٹ کر گاڑی میں آبیٹھیں۔ لائبہ دفعتاً ان کے سینے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اپنا جھرّیوں بھرا ہاتھ تسلی آمیز انداز میں اس کی پشت پر پھیرتی رہیں۔

"میری بیٹی تو جو کر رہی ہے ٹھیک کر رہی ہے تجھے ایسا ہی کرنا چاہیے......" انہوں نے کئی بار یہ فقرہ دہرایا۔

لائبہ بولی "لیکن نانی...... مجھے نہیں لگتا کہ میں کچھ کرسکوں گی میری ہمت جواب دے رہی ہے نانی مجھے لگتا ہے میں ہار گئی ہوں آج میرا حوصلہ ٹوٹ گیا ہے شاید......"

"نہیں میری بچی تیرے جیسی بہادر بیٹیاں اتنی جلدی حوصلہ تھوڑی ہارتی ہیں۔ تو بڑی ہمت والی ہے تو نے تو میری ہمت بھی جوان کردی ہے۔" وہ اپنی عینک درست کرتے ہوئے بولیں۔

"لیکن نانی۔"

"کچھ نہیں میری بچی۔" انہوں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی "جب مصیبت بہت بڑھ جاتی ہے تو پاس ہی کہیں "آسانی" بھی کھڑی مسکرا رہی ہوتی ہے۔ رات جب بہت کالی ہوجاتی ہے کہ پھر کچھ ہی دیر بعد سویرے کے آثار نظر آنا شروع ہوجاتے ہیں پتا نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے کہ تجھے بھی کامیابی ضرور ملے گی۔ تو ایک اچھی ماں کی اچھی بیٹی ہے قدرت تیرے جیسے لوگوں کی مدد نہیں کرے گی تو کس کی کرے گی۔"

"مگر نانی جان...... بڑی ممی نے تو اپنا دل پتھر کر رکھا ہے۔"

"دیکھ میں تجھ ایک بات بتاتی ہوں۔" انہوں نے لائبہ کے فقرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بات کسی کو معلوم نہیں صرف مجھے معلوم ہے یا عادل کو..... تو جانتی ہے کہ عنبرین نے تیرا آپریشن کرنے سے انکار کیوں کیا تھا؟"

"کیوں کیا تھا؟" لائبہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اس لیے کیا تھا کہ وہ پچھلے ڈیڑھ سال سے آپریشن بالکل چھوڑ چکی ہے..... شاید اگر کسی وجہ سے اسے میرا آپریشن بھی کرنا پڑ جائے تو وہ نہ کرے اب تم سوچ رہی ہو گی کہ ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لیے ہے کہ ڈاکٹروں نے عنبرین کو آپریشن کرنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے پریشانیوں اور دکھوں نے اسے اندر سے کھوکھلا کر ڈالا ہے لائبہ..... اوپر سے اس نے کئی برس دن رات کام کیا ہے اسے شدید "اعصابی تناؤ" ہو جاتا تھا۔ آپریشن کے دوران میں ہی اٹیک ہوتا تھا اور کئی دن کے لیے بستر سے لگ جاتی تھی۔ کئی کئی دن تک ہاتھ پاؤں کانپتے رہتے تھے۔ "ایمسٹرڈیم" میں اس کے کئی ٹیسٹ ہوئے' آخر اعصاب کے ڈاکٹروں نے کہا کہ وہ سرجری کے قریب بھی نہ جائے۔ ایسا کرے گی تو اس کی جان کو خطرہ پیدا ہو جائے گا اور یہ بات سو فیصد درست تھی کوئی ایک سال پہلے وہ اس ہدایت کے خلاف چلی اور شدید نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے کئی ہفتے تک اسپتال میں زیرِ علاج رہی اس کے بعد اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب کبھی آپریشن ٹیبل کے سامنے کھڑی نہیں ہو گی۔"

بیگم رضوانہ نے چند لمحے توقف کر کے اشکبار نظروں سے لائبہ کو دیکھا اور سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا "لیکن تمہارے لیے اور احسن کے لیے..... وہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر ایک بار پھر آپریشن ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے جس طرح کا پیچیدہ آپریشن کیا اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ میں اس بارے میں سب کچھ جانتی ہوں روکنے والے اسے روکتے رہے..... ڈرانے والے ڈراتے رہے لیکن وہ تمہاری اور احسن کی خاطر آپریشن تھیٹر میں پہنچ گئی اور چھ گھنٹے طویل آپریشن کیا۔"

بیگم رضوانہ نے ایک گہری سانس لی اور بولیں "اس آپریشن کے بعد کیا ہوا تھا؟ یہ بھی تم نہیں جانتی ہو لیکن میں جانتی ہوں وہ پھر شدید نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو گئی تھی۔ تمہیں پتا ہی ہے وہ پورے چھ ہفتے غائب رہی تھی فون پر فون آتے تھے۔ ہر وقت کال بیل بجتی رہتی تھی تم نے بھی ان دنوں عنبرین سے رابطہ کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ تو لاہور میں تھی ہی نہیں۔ شاید تمہیں یہ سن کر حیرانی ہو کہ وہ ایمسٹرڈیم میں اپنا علاج کروا رہی تھی لیکن یہ بات صیغۂ راز میں رکھی گئی تھی۔ بالکل ایسے ہی عنبرین کی تکلیف بھی ابھی تک صیغۂ راز میں ہے، وہ اس بات کو عام کرنا نہیں چاہتی کہ وہ اب خود آپریشن نہیں کر سکتی۔ اس طرح گائنی سینٹر کی ساکھ متاثر ہونے کا اندیشہ ہے وہ اس انتظار میں ہے کہ شاید آگے چل کر حالات بہتر ہو جائیں' وہ سنبھل جائے اور پھر سے سرجری شروع کر سکے۔"

لائبہ حیرت سے بیگم رضوانہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بیگم رضوانہ کی بات ختم ہوئی تو لائبہ نے کہا "نانی! کیا آپ کا خیال ہے کہ بڑی ممی کے دل میں اب بھی پاپا کے لیے جگہ موجود ہے؟"

اس سوال کا جواب دینا بڑا مشکل ہے لائبہ وہ اپنے آپ میں اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ شاید اسے خود بھی اپنا پتا نہیں۔ اس نے خود کو اپنے "پروفیشن" میں اتنا غرق کر لیا ہے کہ کسی وقت میں خود بھی اسے ڈھونڈنا چاہتی ہوں تو نہیں ڈھونڈ سکتی۔ سمجھا سمجھا کر ہار چکی ہوں' اب تو اس سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے اور بات کرنے کا موقع ملتا بھی کہاں ہے وہ ہر وقت لوگوں میں گھری رہتی ہے یا اپنے مسئلوں میں اکثر اس کے پاس سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ہوتی۔ اب دیکھو آٹھ بجنے والے ہیں ساڑھے آٹھ بجے وہ گھر سے نکل جائے گی۔ ٹی وی پر پروگرام ریکارڈ کرائے گی وہاں سے اسے ایک میٹنگ میں جانا ہے گیارہ بجے کے قریب وہ میٹنگ ہال سے سیدھا ائرپورٹ جائے گی اسے کولمبو پہنچنا ہے اور تقریباً تین دن وہاں گزارنے ہیں۔"

"تو..... یہ تین دن آپ گھر میں اکیلی گزاریں گی؟"

"تم تین دن کی بات کرتی ہو یہاں ہفتے اس طرح گزر سکتے ہیں۔"

"نانی کاش میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی۔"

"تو کرو نا۔" بیگم رضوانہ نے اس کا سر چومتے ہوئے کہا "وہ تو چلی جائے گی ابھی تو تھوڑی دیر میں تم کل چپکے سے میرے پاس آ جانا۔"

"بڑی ممی کو پتا چل گیا تو۔"

"دو ملازم اس کے ساتھ جا رہے ہیں' دو کو میں خود ایک دن کی چھٹی دے دوں گی ملازمہ شریفاں رہ جائے گی اس کی خیر ہے۔"

تھوڑی دیر تک وہ دونوں اس موضوع پر بات کرتی رہیں پھر انہوں نے اگلے دن کا پروگرام طے کر لیا۔

☆☆☆

نانی جان کی بات سے لائبہ کو عجیب سا حوصلہ ملا تھا۔ خاص طور پر انہوں نے لائبہ کے آپریشن کے حوالے سے جو کچھ بتایا تھا کہ حوصلہ افزا تھا۔ یہ بات لائبہ نے کہیں اخبار میں بھی پڑھی تھی کہ پروفیسر ڈاکٹر عنبرین آج کل خود آپریشن نہیں کر رہی ہیں اور اس حوالے سے کسی کی سفارش بھی قبول نہیں کر رہیں۔ تو نانی جان نے جو کچھ بڑی ممی کے بارے میں بتایا وہ درست تھا تو اس کا مطلب تھا کہ بڑی ممی کے اندر کہیں نہ کہیں کوئی لچک موجود

ہے لیکن کیا یہ لچک صرف انسانی اور اخلاقی حوالے سے ہے یا پھر اس کا تعلق ٹوٹے ہوئے رشتوں سے ہے؟ یہ بڑا کٹھن سوال تھا اب تک لائبہ نے ڈاکٹر عنبرین کا جو رویہ دیکھا تھا اس سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا کہ پاپا کے حوالے سے ان کے دل کے اندر کوئی دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔

اگلے روز وہ پروگرام کے مطابق "نانی جان" کے گھر چلی گئی۔ اس کے لیے اس نے پاپا سے باقاعدہ اجازت لی تھی۔ اس گھر میں اسے عجیب سی اپنائیت کا احساس ہوا اسے لگا جیسے وہ اپنی حقیقی نانی کی محبت کو "انجوائے" کر رہی ہے۔ دونوں نے ڈھیروں باتیں کیں نانی جان اپنے داماد یعنی احسن سے بھی ملنے کی خواہش رکھتی تھیں لیکن ڈرتی بھی تھیں' انہیں ہمہ وقت عنبرین کے بگڑنے کا اندیشہ رہتا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد لائبہ پورے گھر میں گھوم پھر کر دیکھتی رہی کوئی ایسی چھوٹی موٹی نشانی ڈھونڈتی رہی جس سے اسے پتا چلتا کہ بڑی ممی کے دل میں کہیں کوئی نرم گوشہ موجود ہے لیکن ایسا کچھ نہیں ملا یہ گھر بھی ایک کلینک کی طرح نظر آتا تھا۔ جہاں ہر طرف "طب و صحت" کے حوالے ہی ملتے تھے۔ ایک الماری سے لائبہ نے کچھ پرانے البم ڈھونڈ نکالے۔ یہ دیکھ کر اس کا دل کچھ اور بجھ گیا کہ ان میں کہیں بھی پاپا بڑی ممی کی تصویر موجود نہیں تھی۔ پاپا تو دور کی بات ہے پاپا کے کسی عزیز رشتے دار کی تصویر بھی موجود نہیں تھی' بڑی ممی کی بھی کوئی پرانی تصویر دکھائی نہیں دی بس دو چار نئی تصویریں تھیں' وہی بال کھینچ کر باندھے ہوئے۔ چہرہ میک اپ سے عاری' جسم پر جیولری کا نشان نہیں 'ماتھے پر شکنیں۔

"نانی' ممی پاپا کی کوئی تصویر اس گھر میں نہیں۔" لائبہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" انہوں نے اداسی سے کہا۔

"ممی کی کوئی پرانی تصویر؟"

"وہ بھی نہیں اس نے سب پھاڑ کر پھینک دیں لیکن تمہارے گھر میں تو کہیں نہ کہیں ہو گی۔"

"ہاں نانی ایک زبردست تصویر ہے لیکن۔" وہ ایک دم اداس ہو گئی۔

آنکھوں میں آنسو چمک گئے۔

"کیا ہوا؟" نانی نے دلار سے پوچھا۔

"کل وہی تصویر تو میں لے کر آئی تھی بڑی ممی نے میرا ہاتھ جھٹک کر نیچے پھینک دی شیشہ ٹوٹ گیا اور کونا لگنے سے تصویر پھٹ بھی گئی۔" لائبہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ نانی اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگیں۔

رات وہ وہیں پر رہی۔ نانی نو بجے کے بعد سو گئیں لیکن وہ دیوانوں کی طرح گھر میں چکراتی رہی' الماریاں کھولتی رہی 'صندوق دیکھتی رہی' کونے کھدروں میں جھانکتی رہی۔ اس نے اسٹڈی میں جا کر بڑی ممی کے ذاتی کاغذات بھی کھنگال ڈالے وہ کوئی ایسی چیز کوئی ایسی تحریر دیکھنا چاہتی تھی۔ جس سے اسے اس بات کا اشارہ ملتا کہ بڑی ممی نے اب بھی پاپا کو یاد رکھا ہوا ہے۔

یوں لگتا تھا کہ بڑی ممی کی زندگی میں سے رنگ و خوشبو ناپید ہو چکے ہیں۔ بس ضخیم کتابیں ہیں اور میڈیسن کی بو ہے' وہ رات گئے تک تلاش کرتی رہی مگر کہیں کوئی خوبصورت "حوالہ" اسے نظر نہیں آیا۔ وہ چھت پر چلی گئی چاندنی رات تھی در و دیوار ایک ٹھنڈی سی روشنی میں نہائے ہوئے تھے' چھت پر سے لوہے کا ایک نسبتاً تنگ زینہ بالائی منزل کی طرف جاتا تھا۔ بالائی منزل پر بھی ایک چھوٹا سا برآمدہ اور کمرا موجود تھا۔

لائبہ اس بالائی کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی جب اسے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی اس نے مڑ کر دیکھا یہ ملازمہ شریفاں تھیں "بی بی جی! آپ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں..... ویسے ہی..... ابھی نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"میں تو ڈر گئی کہ پتا نہیں کون گھوم رہا ہے۔" شریفاں بولی۔

لائبہ بالائی کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی "وہ کمرا کس کا ہے؟" اس نے شریفاں سے پوچھا۔

"کسی کا بھی نہیں بس چھوٹی بیگم صاحبہ ہی کبھی کبھی وہاں جاتی ہیں۔"

"کیا میں کمرا دیکھ سکتی ہوں؟"

"دروازہ لاک ہو گا۔ اس کی چابی بیگم صاحبہ کے پاس ہی رہتی ہے۔"

لائبہ کے اندر تجسس جاگ گیا اس نے شریفاں سے کہا۔ "دوسری چابی بھی تو ہو گی۔"

"نہیں بس ایک ہی چابی ہے مجھے تو لگتا ہے کہ بیگم صاحبہ اس کمرے کی صفائی بھی خود ہی کر لیتی ہوں گی مجھے یہاں کام کرتے دو سال ہو گئے ہیں میں نے تو کمرے کی صفائی نہیں کی۔"

"اچھا تم جاؤ..... سو جاؤ میں خود ہی آ جاؤں گی۔" لائبہ نے شریفاں سے کہا۔

شریفاں کے جانے کے بعد لائبہ پیچ دار زینہ چڑھ کر اوپر چلی گئی۔ دروازہ واقعی لاک تھا لائبہ نیچے گئی اور چابیوں کا ایک گچھا لے آئی وہ مختلف چابیوں کی مدد سے دروازہ کھولنے کی کوشش کرتی رہی مگر ناکام رہی رات کے بارہ بج چکے تھے اس نے موبائل پر انکل طارق سے رابطہ کیا۔

''انکل! ایک ضروری کام آن پڑا ہے کیا اس وقت ایک لاک ماسٹر کا انتظام ہوسکتا ہے؟''

''کیا کہہ رہی ہو نادان بھتیجی آدھی رات کو لاک ماسٹر؟ اتنی رات گئے تالے کھولے نہیں جاتے توڑے جاتے ہیں۔''

''مذاق نہیں انکل مجھے ایک لاک ماسٹر چاہیے۔ ابھی یا پھر صبح سویرے پھر وہ انکل کو اس بارے میں تفصیل بتانے لگی۔

☆☆☆

احسن اپنے کمرے میں گم صم بیٹھا تھا چائے اس کے سامنے ٹیبل پر ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ وہ جب تک لندن میں تھا آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والی بات تھی۔ لیکن اب ایک بار پھر سب کچھ اس کے سامنے تھا۔ وہی شہر تھا' وہی گلی کوچے' وہی گھر اور وہی کمرا جہاں اس نے اپنے جیون کے حسین ترین شب و روز گزارے تھے یہاں چپے چپے پر اٹھارہ انیس سال پہلے کی ناقابل فراموش یادیں بکھری ہوئی تھیں اور صرف یادیں ہی نہیں تھیں جیتی جاگتی عنبرین بھی اس کے آس پاس موجود تھی۔ کبھی ٹی وی پر اس کا چہرہ نظر آتا تھا کبھی ریڈیو پر آواز سنائی دیتی تھی۔ اخباروں میں اس کے بارے میں خبریں چھپتی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ شہر ہر دلعزیز شخصیت ہے وہ بہت بلندی پر پہنچ چکی تھی وہ نیک نامی اور شہرت کے آسمان پر چمکتا ہوا ایک روشن ستارہ تھی۔ احسن اس کی طرف دیکھتا تھا تو اسے ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ زمین پر کھڑا ہے اور ان گنت دوسرے لوگوں کی طرح ایک روشن ستارے کو دیکھ رہا ہے۔

آج وہ کچھ زیادہ ہی اداس تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے رات نو بجے والی خبروں میں اسے پھر عنبرین کی جھلک نظر آئی تھی۔ اس نے کولمبو میں ایک بہت بڑے اسپتال کا افتتاح کیا تھا' مقامی ڈاکٹروں اور دیگر معززین کے جھرمٹ میں وہ نمایاں نظر آرہی تھی وہ نہایت سادہ ساڑی میں تھی لیکن اس کے جسم کی موزونیت اس ساڑی میں بھی جھلک دکھا رہی تھی وہ جب فیتہ کاٹنے کے لیے آگے کی طرف جھکی تھی تو بالوں کی دو خوبصورت لٹیں اس کے چہرے پر جھولنے لگی تھیں اس نے ہاتھ کی پشت سے لٹوں کو پیچھے ہٹایا تھا ہاں وہ اب بھی دلکش تھی اس کی اداؤں میں اب بھی دل موہ لینے والی کیفیت تھی۔

اور پھر وہ اسکرین سے اوجھل ہوگئی تھی لیکن اس کی شبیہہ احسن کے پردۂ تصور پر موجود رہی تھی وہ تصور ہی تصور میں اس سے مخاطب ہوا ''کتنی دور چلی گئی ہو عنبرین لگتا ہے کہ کسی اور دنیا میں بستی ہو مجھے بتاؤ عنبر۔ین' کیا قصوروار صرف میں ہی تھا؟ کیا ساری غلطیاں میری ہی تھیں؟ اور اگر میری بھی تھیں تو کیا غلطیوں کی کوئی معافی نہیں ہوتی' کیا خطاؤں کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا؟ تمہیں کیا پتا میں کیسے کیسے تڑپا ہوں' میں نے کیسے کیسے اور کہاں کہاں تمہارا انتظار کیا ہے، کیا میں اس قابل بھی نہیں تھا کہ تم مجھے ایک فون ہی کر دیتیں' ایک خط ہی لکھ دیتیں تم تو صرف ایک لفظ ''پلیز'' کہہ دیا کرتی تھیں تو میرا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جایا کرتا تھا' میرا ہر شکوہ یوں ڈھل جاتا تھا جیسے کبھی تھا ہی نہیں کیا میں اس ایک لفظ کے قابل بھی نہیں تھا۔''

اچانک احسن اپنے خیالوں سے چونکا۔ لائبہ عقب سے آئی تھی اور چپکے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس پر لد گئی تھی۔ چند سیکنڈ آگے پیچھے جھولنے کے بعد اس نے احسن کے گال پر پیار کیا اور پھر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی ''میرے اتنے سویٹ سے...... پیارے سے پاپا اتنے اداس کیوں ہیں؟''

''اداس نہیں ہوں اور اگر تھا بھی تو اب نہیں ہوں۔ اب میری پیاری سی بیٹی میرے پاس آگئی ہے۔

''اور یہ پیاری بیٹی آپ سے ایک خاص بلکہ بہت خاص بات کہنے کے لیے آئی ہے۔''

''کیسی بات؟''

''پہلے وعدہ کریں کہ میری بات مانیں گے۔''

''اچھا بتاؤ۔''

''مجھے ممی درکار ہے...... فوراً! چاہے ارجنٹ ریٹ پر ملے۔''

احسن نے ایک گہری سانس لی ''کچھ اور مانگ لو۔''

''نہیں یہی مانگنا ہے اور یہی لینا ہے۔''

''سب کچھ جانتی بھی ہو پھر بھی؟''

''سب کچھ جانتی ہوں اسی لیے تو کہہ رہی ہوں۔'' اس نے احسن کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا کچھ دیر تک اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''پاپا آج آپ کو بڑی ممی سے ملنے جانا ہے انہیں منانا ہے' اٹھارہ سال پہلے آپ نے انہیں رلایا تھا آج آپ نے ان کے آنسو پونچھنے ہیں اور اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں بھی آپ سے روٹھ جاؤں گی اور ایسا روٹھوں گی کہ آپ کو نانی یاد آجائے گی...... جی ہاں۔''

''لیکن......''

''کوئی ایکسکیوز نہیں پاپا...... آپ کو ہر صورت چلنا ہوگا...... آپ کو وہاں کچھ نہیں کرنا۔ وہاں جا کر بس اپنے حصے کی غلطیاں تسلیم کرلیں اپنے حصے کی غلطیاں ممی خود تسلیم کرلیں گی۔''

''کک...... کیا تمہاری اس سے کوئی بات ہوئی ہے۔''

''بات نہیں ہوئی لیکن جو کچھ ہوا ہے وہ بات سے بڑھ کر ہے بس آپ چلیں۔''

''لل...... لیکن بیٹا ایسا کیسے ہوسکتا ہے وہ تو میری شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی میرا نام تک سننا نہیں چاہتی...... مجھ سے بات کیسے کرے گی؟ وہ نہیں کرے گی مجھ سے بات۔''

آپ کو کیا پتا پاپا! وہ آپ کو کتنا چاہتی ہیں آپ کو کچھ پتا نہیں مجھے نانی نے سب کچھ بتایا ہے کوئی بات بھی انہوں نے چھپائی نہیں ہے۔ انہوں نے میرے آپریشن کے بارے میں بھی بتایا ہے۔ آپ کو ممی سے تازہ شکوہ یہی ہے نا کہ انہوں نے میرا آپریشن کرنے سے انکار کیوں کیا؟ انہوں نے انکار اس لیے کیا کہ وہ آپریشن کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ وہ سرجری کے دوران میں نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہوجاتی ہیں ڈاکٹروں نے انہیں بڑی سختی سے منع کر رکھا تھا، ان کا کہنا تھا کہ سرجری سے ان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے لیکن انہوں نے آپ کے لیے اور میرے لیے یہ خطرہ مول لیا۔ ایک نہایت کٹھن اور طویل آپریشن کر کے انہوں نے آپ کی بیٹی کی جان بچائی اور نتیجے میں ہفتوں ایمسٹرڈیم کے ایک اسپتال میں پڑی رہیں۔''

لائبہ بولتی چلی گئی اور احسن محویت سے سنتا رہا۔ لائبہ کے ساتھ بیگم رضوانہ کی جو طویل گفتگو ہوئی تھی وہ اس نے ساری احسن کے گوش گزار کردی۔ آخر میں بولی ''آپ میرے پاپا ہیں لیکن آپ سے غلطیاں ہوئی ہیں پاپا بہت سی مجھے معلوم نہیں لیکن چند ایک معلوم بھی ہیں۔ آپ نے کبھی ممی کی لائبریری کو منحوس لائبریری کہا تھا نا دیکھیں پاپا اسی لائبریری کے طفیل اس علم کے وسیلے سے قدرت نے آپ کی بیٹی کی جان بچائی' ڈاکٹر عنبرین نے وہ کام کیا جو دنیا میں شاید چند افراد ہی کرسکتے ہیں گے آپ یہ بات مانتے ہیں نا؟''

احسن کا سر جھکا ہوا تھا آنکھوں میں گہری سوچ تھی تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ بیٹی کی باتوں سے اختلاف نہیں کر رہا لیکن حقائق بھی اپنی جگہ اٹل تھے۔

''پاپا! بہت دیر ہوچکی ہے۔ اب اور دیر نہ کریں اٹھ جائیں پاپا آپ میرے ساتھ چلیں۔''

احسن نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا ''لابی میں تمہیں کیسے بتاؤں میں نے اس کی آنکھوں میں بہت کچھ پڑھ لیا ہے بے شک وہ بہت اچھی ہے لیکن وہ اپنا دل پتھر کرچکی ہے مجھے اس کے سامنے مت لے جاؤ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو میں ہمیشہ کے لیے اپنی نظروں سے گر جاؤں گا۔''

''یہ خوف دل سے نکال دیں پاپا ایسا کچھ نہیں ہوگا' یہ میرا وعدہ ہے آپ سے بس آپ چلیں میرے ساتھ۔''

''میرے چلنے سے کچھ نہیں ہوگا بیٹی! میں جانتا ہوں وہ مجھ سے بات نہیں کرے گی نہیں کرے گی۔''

جس جگہ آپ دونوں ملیں گے وہ جگہ ہی ایسی ہے کہ انہیں آپ سے بات کرنا پڑے گی۔'' وہ عجیب اعتماد سے بولی۔

''جگہ ایسی ہے؟ کیا مطلب؟ احسن نے کہا۔

احسن کی پیشانی پر بوندیں نمودار ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

اور یہ منظر عنبرین کی رہائش گاہ کا تھا۔ رات تقریباً گیارہ بجے کا عمل ہوگا' آسمان اتنا صاف تھا لگتا تھا چاند چاندنی کے ساتھ ہی زمین پر اتر آیا تھا۔ نومبر کی خنک ہوا پیڑ پودوں کو ہلکورے دے رہی تھی۔ باپ بیٹی اسٹیل کے خم دار زینوں کے بالائی سرے پر کھڑے تھے۔ لائبہ نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک چابی نکالی اور بڑی آہستگی سے دروازے کے کی ہول میں داخل کردی یہ پش بٹن لاک تھا۔ اس نے چند لمحے تک سن گن لینے کے بعد چابی کو بے آواز گھمایا اور احسن کو دھکیل کر دروازے میں داخل کردیا۔

احسن لرزتے قدموں سے اندر داخل ہوا۔ یہ ایک چھوٹی سی لابی تھی فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا چند قدم آگے ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا یہ ایک ہال کمرے کا دروازہ تھا۔ لابی کی طرح ہال کمرے میں بھی روشنی موجود تھی۔ احسن ہال کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچا۔ اس نے احتیاط سے اندر جھانکا اور سکتے کی سی حالت میں رہ گیا' ہال کمرے کی دیواروں پر بیسیوں چھوٹی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں اور یہ مختلف تصویریں نہیں تھیں یہ ایک ہی شاندار تصویر کی کاپیاں تھیں۔ اس تصویر میں عنبرین اور احسن ساتھ ساتھ کھڑے نظر آرہے تھے' دونوں کے پہلو باہم ملے ہوئے تھے۔ عنبرین کا بایاں ہاتھ احسن کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ احسن کا بایاں بازو عنبرین کی دلکش کمر میں تھا۔ عنبرین کے خوبصورت بال شانوں پر بکھرے تھے اور بالوں کی دو موٹی لٹیں احسن کی ٹھوڑی کو چھوتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ دیکھنے میں یہ ایک ہی لٹ لگتی تھی۔

ہال کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ احسن دیکھتا رہ گیا یہ ایک ہی تصویر تھی لیکن کمرے میں ہر طرف یہی نظر آرہی تھی۔ کہیں ہلکے رنگوں میں' کہیں تیز رنگوں میں' کہیں بلیک اینڈ وائٹ کہیں ڈائس کی شکل میں کچھ تصویریں شیشے والے فریموں میں تھیں کچھ بغیر شیشے کے فریموں میں کچھ کو ہارڈ بورڈ وغیرہ پر ماؤنٹ کیا گیا تھا۔ احسن اس تصویر کو بڑی اچھی طرح پہچانتا تھا یہ اس کی اور عنبرین کی پسندیدہ تصویر تھی۔ اس کے عقب میں گہرے سبز لان پر موتیے کے کچھ پھول بکھرے نظر آتے تھے یہ بکھرے ہوئے نہیں تھے بلکہ انہیں خاص ترتیب سے رکھا گیا تھا۔ اگر انہیں دھیان سے دیکھا جاتا تو ان پھولوں سے تین الفاظ بنتے تھے ''...... جدا نہ ہوں گے'' یہ ہر لحاظ سے ایک شاندار تصویر تھی اور ان کے بیڈ روم میں بھی آویزاں رہی تھی۔

احسن محویت سے دیکھ رہا تھا اس کمرے کو بڑی اچھی طرح ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ خوبصورت صوفے تھے ایک طرف چھوٹا سا

بیڈ تھا ایک الماری کی شیلفوں میں شاعری کی بہت سی کتابیں دکھائی دے رہی تھیں ایک چھوٹی دیوار پر اٹھارہ سال پہلے کی بہت سی اور یادگار تصویریں بھی نظر آ رہی تھیں۔ الماری کے نیچے ایک شاندار آڈیو سسٹم پڑا تھا۔ شیشے کے ایک کیس میں درجنوں آڈیو کیسٹس ترتیب سے رکھی تھیں۔ عابدہ پروین کی آواز میں ایک غزل مدھم آواز میں گونج رہی تھی ''جب سے تم نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے''

کمرے میں کوئی نہیں تھا لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد آہٹ سنائی دی' ڈریسنگ کرٹن کے عقب سے عنبرین نمودار ہوئی وہ ایک دھنک رنگ ساڑی میں تھی بال جو ہر وقت سرے سے چپکے نظر آتے تھے آج آزاد تھے اور شانوں پر لہرا رہے تھے' کانوں میں موتیے کے پھول تھے اور عینک ندارد تھی وہ بستر پر نیم دراز ہو گئی اور آنکھیں موند لیں۔

احسن ششدر تھا' ڈاکٹر عنبرین کا یہ روپ اس سے یکسر مختلف تھا جو وہ پاکستان آنے کے بعد سے دیکھتا رہا تھا۔ اپنے حلیے میں معمولی سی تبدیلیاں کر کے وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ اسے بستر پر نیم دراز دیکھ کر احسن کو یہی محسوس ہوا کہ وقت اٹھارہ انیس سال پیچھے چلا گیا ہے۔ وہی ستار کے تاروں جیسا حساس جسم جو ہاتھ کے اشارے سے بول اٹھے' وہی دلکش نشیب و فراز جو ایک سرگوشی سے گنگنا اٹھیں' وہی رعنائی' وہی جان لے لینے والی مقناطیسیت...... وہ ایسی ہی ریشمی تنہائیوں کا دیوانہ تھا وہ ایسی ہی جان فزا محبت کا پیاسا تھا وہ اس کی بیوی تھی...... اس کی محبت تھی اور زمانہ بیت گیا تھا وہ ایک دوسرے سے دور تھے۔

اچانک عنبرین اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے آڈیو کی آواز بند کی اور چونکی نظروں سے اردگرد دیکھنے لگی' شاید اس کی چھٹی حس نے اسے احساس دلایا تھا کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے۔ اس نے لابی کی طرف دیکھا پھر اس کی نگاہ دیوار کے ایک حصے پر جم کر رہ گئی دیوار کا یہ حصہ احسن کی عین سامنے تھا اور یہاں احسن کا مدھم سایہ موجود تھا۔ احسن کی رگوں میں خون سنسنا اٹھا۔ دوسری طرف عنبرین کے چہرے پر شدید خوف کے آثار نمودار ہوئے' وہ تڑپ کر بستر سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے چیخ کر کہا ''کون ہے؟'' احسن نے کوئی جواب نہیں دیا وہ ایک بار پھر زور سے چیخی ''کون ہے؟''

اس کے ساتھ ہی وہ الماری کی طرف جھپٹی۔ اس نے ہیجانی انداز میں ایک دراز کھولی چند ہی سیکنڈ بعد اس کے ہاتھ میں ایک پسٹل نظر آ رہا تھا وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ گولی بھی چلا سکتی تھی۔ احسن نے اب مزید چھپنا مناسب نہیں سمجھا ''یہ میں ہوں عنبرین'' اس نے کہا اور عنبرین کے سامنے آ گیا۔

عنبرین پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہی اس کا چہرہ لیموں کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ فرط حیرت سے منہ کھلے کا کھلا تھا پھر ایک کانپتی ہوئی آواز اس کے ہونٹوں سے نکلی ''یہ میں...... میں کیا دیکھ رہی ہوں؟ آ...... آپ یہاں؟''

''ہاں یہ میں ہی ہوں۔''

عنبرین شدید حیرت اور خوف کے عالم میں دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی تھی لیکن پسٹل اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا پھر اس نے پسٹل بستر پر پھینک دیا اور اپنے ہونٹ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیے اس کی پشت اب دیوار سے لگی ہوئی تھی۔

دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے ان کے چاروں طرف ایک تصویر تھی۔ ایک بے نام احساس نے انہیں چاروں طرف سے ڈھانپ رکھا تھا۔ چند سیکنڈ اسی طرح گزر گئے تب بے حد کوشش کر کے عنبرین نے خود کو سنبھالا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے لاک کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن اسے باہر سے چٹخنی چڑھا دی گئی تھی۔

اس نے دروازے کو جھنجھوڑا اور زور سے بولی ''باہر کون ہے' دروازہ کھولو میں کہتی ہوں دروازہ کھولو۔''

دوسری طرف سے لائبہ کی روتی ہوئی آواز آئی ''نہیں ممی! میں دروازہ نہیں کھولوں گی جب تک آپ دونوں ٹھیک نہیں ہوتے میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔''

''میں دروازہ توڑ دوں گی' میں کہتی ہوں دروازہ کھولو۔''

''نہیں ممی! میں نے نہیں کھولنا۔ آپ میری جان بھی لے لیں لیکن میں نے نہیں کھولنا۔''

عنبرین نے دروازے کو کئی بار جھنجھوڑا پھر وہ تیزی سے اپنے رائٹنگ ٹیبل کی طرف گئی اس نے ٹیبل کے سائیڈ پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا یہ گھنٹی کا بٹن تھا۔ اس نے کئی بار بٹن دبانے کے باوجود کہیں آس پاس سے گھنٹی کی آواز نہیں ابھری۔ شاید تار کاٹ دیا گیا تھا وہ جھلا گئی' ناکام ہو کر اس نے انٹرکام استعمال کرنا چاہا مگر اسے پتا چلا کہ انٹرکام بھی کام نہیں کر رہا۔

وہ دروازے کے پاس جا کر گرجی ''لائبہ! دروازہ کھولو...... ورنہ...... ورنہ میں پولیس کو کال کروں گی۔''

جواب میں لائبہ کے رونے کی آواز آئی لیکن اس نے کہا کچھ نہیں' دروازہ بھی نہیں کھولا۔

وہ دروازے کو دھکیلنے لگی' اس پر ٹھوکریں رسید کرنے لگی پھر نڈھال سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ احسن ایک طرف گم صم کھڑا تھا۔

دو تین منٹ اسی طرح گزر گئے' پھر احسن کو محسوس ہوا کہ عنبرین کی شدید ترین ہیجانی کیفیت ماند پڑ رہی ہے جیسے ایک طوفان سا آ کر گزر گیا تھا وہ احسن کی طرف سے رخ پھیرے بیٹھی تھی۔ اس کے تاثرات احسن کی نظروں سے اوجھل تھے۔

احسن نے ایک بار پھر در و دیوار پر نگاہ ڈالی۔ یہاں تصویروں میں ہر طرف وہی نظر آ رہا تھا۔ اس منظر نے اور عنبرین کے ماند پڑتے ہوئے ہیجان نے احسن کے اعتماد میں کچھ اضافہ کیا۔

دم لینے کے بعد عنبرین پھر اپنی جگہ سے اٹھی میز پر ایک سرخ ٹیلیفون رکھا تھا...... وہ اس کی طرف بڑھی اس نے ریسیور اٹھایا چند لمحوں کے لیے یوں محسوس ہوا کہ وہ بذریعہ فون کسی کو بلانا چاہ رہی ہے لیکن پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ آخری کوشش کے طور پر وہ پھر دروازے کی طرف بڑھی' بالوں کی لٹیں چہرے پر آوارہ تھیں۔ اس نے ہیجانی انداز میں چند بار دروازے کو جھنجھوڑا تب اپنا رخ دوبارہ احسن کی طرف پھیر لیا لیکن وہ احسن کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو تھے گداز لب تھرتھرا رہے تھے وہ احسن کی طرف دیکھے بغیر بولی ''بہتر ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔''

''کیوں چلا جاؤں؟'' احسن نے عجیب سے اعتماد کے ساتھ پوچھا۔

جواب میں عنبرین کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ خاموش رہی۔

احسن کے سینے کی گہرائی میں کہیں شادیانہ سا بج اٹھا۔ لائبہ نے ٹھیک ہی کہا تھا ہاں اس نے ٹھیک ہی کہا تھا' گھر سے آتے ہوئے وہ بولی تھی ''پاپا جس جگہ آپ دونوں ملیں گے وہ ''جگہ'' ہی ایسی ہے کہ ممی کو آپ سے بات کرنا پڑے گی۔''

ہاں...... یہ جگہ ہی ایسی تھی یہ مقام ہی اس طرح کا تھا یہاں کھڑے ہو کر عنبرین یہ کہہ ہی نہیں سکتی تھی کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتی......

عنبرین کے لب تھرا رہے تھے' احسن نے دو قدم مزید اس کی طرف بڑھائے' آبدیدہ لہجے میں بولا ''مجھے بتاؤ عنبرین! میں کیوں چلا جاؤں؟ اس لیے چلا جاؤں کہ ہم دونوں آج بھی ایک دوسرے کو چاہتے ہیں' آج بھی چھپ چھپ کر روتے ہیں ہم نے آج بھی اپنی یادوں کو سینے سے لگا کر رکھا ہوا ہے؟ مجھے بتاؤ عنبرین کیا میں اس لیے چلا جاؤں کہ ہم دونوں کو اپنی غلطیاں تسلیم ہیں اور ہم ان پر پچھتاتے ہیں' مجھے بتاؤ میں کیوں چلا جاؤں؟''

وہ خاموش تھی۔ آنکھیں خشک تھیں لیکن آثار بتا رہے تھے کہ وہ زیادہ دیر خشک نہیں رہیں گی اور پھر ایسا ہی ہوا آنکھوں میں نمی چمکی اور پھر پانی بہہ نکلا۔

چند ماہ پہلے سال کی آخری شام میں لندن کے پرشور ریسٹورنٹ کے سامنے ایک برف احسن کے اندر پگھلی تھی آج ایک برف شاید عنبرین کے اندر پگھلنا شروع ہوئی تھی ہاں کچھ پگھل رہا تھا کچھ سرک رہا تھا۔

اس نے عنبرین کو شانوں سے تھام لیا' روتے ہوئے بولا ''میں کیوں چلا جاؤں؟ مجھے سمجھاؤ عنبرین! میں کیوں چلا جاؤں؟''

وہ خاموش تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ روتی چلی جا رہی تھی۔ احسن کے ہاتھ اس کے شانوں پر تھے اور انگلیاں گوشت میں پیوست ہو رہی تھیں ''میں کیوں چلا جاؤں عنبرین؟ میں کیوں جاؤں؟''

آنسوؤں کی صدا کے سوا اور کچھ نہیں تھا اور چاروں طرف سے ایک تصویر انہیں گھیرے کھڑی تھی اس تصویر میں موتیے کے پھول تھے...... ایک پرانا وعدہ تھا جدا نہ ہوں گے۔

چند لمحوں میں صدیاں بیت گئیں' پھر ایک کراہتی ہوئی آواز عنبرین کے ہونٹوں سے نکلی اس کراہتی رلاتی آواز میں ہزار ہا شکوے سمٹے ہوئے تھے ''مجھے فون نہیں کر سکتے تھے؟ مجھے پیغام نہیں بھیج سکتے تھے؟ مجھے آ کر...... لے جا نہیں سکتے تھے؟؟''

''میں نے سب کچھ کیا تھا عنبرین! میں نے کئی بار کوشش کی

تھی تمہاری طرف سے ہی سارے دروازے بند ہوگئے تھے؟"

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ...... آپ نے کچھ نہیں کیا تھا بس پتھر بن کر بیٹھے رہے تھے انا کا پہاڑ کھڑا کیا ہوا تھا آپ نے اپنے اندر...... میں ہی ٹوٹ کر بکھرتی رہی خود ہی روٹھ کر خود ہی مانتی رہی، دن رات آپ کا انتظار کیا آپ کو فون کیے آپ کے لیے روتی رہی۔"

احسن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں تمہاری قسم کھاتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بول رہا اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی جھوٹ نہیں بول رہی ہو۔ بس ہمارے ساتھ وقت نے جھوٹ بولا حالات نے بدگمانیاں پیدا کیں۔ ہماری معمولی غلطیوں کو بھی وقت نے غیر معمولی بنا دیا۔"

"وقت کیوں جھوٹ بولتا ہے؟ حالات کیوں بدگمانیاں پیدا کرتے ہیں کیوں جیون بھر کے ساتھی ہمیشہ کے لیے جدا ہوتے ہیں؟" وہ کراہی۔

"شاید جہاں محبت زیادہ ہوتی ہے وہاں وقت رقیب بن جاتا ہے۔"

وہ روتی رہی اور احسن کے آنسو بھی رخساروں کو بھگوتے رہے ایک سسکی اپنے دامن میں ان گنت شکوے سمیٹ کر عنبرین کے ہونٹوں سے نکلی وہ عجیب لہجے میں بولی "مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے بس مجھے میرے بیتے ہوئے سال لوٹا دیجیے میری صبحیں میری شامیں مجھے آپ سے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"مجھے معاف کر دو عنبرین، میں اپنی ساری غلطیوں کی معافی چاہتا ہوں اور ان غلطیوں کی بھی جو میری طرف سے وقت نے کی، حالات کی کیں میں تمہاری صبحیں، شامیں تمہیں نہیں لوٹا سکتا لیکن جو کچھ لٹنے سے بچ گیا ہے ہم اسے تو مزید برباد ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ ایک گھر، ایک آنگن، ایک بیٹی اور اس کی بہت ساری مسکراہٹیں۔ وہ خاموش رہی یکسر خاموش، پتھر کی طرح ساکت۔

لیکن احسن جانتا تھا سینے کی گہرائی میں کچھ پگھل رہا ہے کچھ سرک رہا ہے اور کچھ بہہ رہا ہے۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی بہہ رہی تھیں۔

اس نے اپنے رگ وپے میں ہلکورے لینے والی ساری انکساری اپنے لہجے میں سمیٹی اور عنبرین کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے بولا "تم پلیز کہہ کر مجھ سے سب کچھ منوالیا کرتی تھیں میں تمہاری طرح پلیز تو نہیں کہہ سکتا لیکن تمہارے لہجے کی نقل تو اتار سکتا ہوں نا۔" اس نے ایک لمحہ توقف کیا پھر دلفگار لہجے میں بولا "پلیز عنبرین...... پلیز مجھے معاف کر دو...... پلیز۔"

اس نے اشکوں سے لبالب بھری آنکھیں احسن کی طرف اٹھائیں پھر جیسے ایک دم اس کی ٹانگوں میں سکت نہ رہی وہ گھٹنوں کے بل قالین پر گر گئی اور احسن کی ٹانگوں سے چمٹ گئی۔ وہ یوں روئی کہ در و دیوار لرز اٹھے۔ احسن نے اسے بمشکل کھینچ کر سیدھا کیا اور سینے سے چمٹا لیا "عنبرین...... عنبرین" وہ پکارتا چلا گیا۔ اس کے ہونٹ اسے بے تحاشا پیار کرنے لگے پیشانی پر، رخساروں پر، ٹھوڑی پر...... اور اس چھوٹے سے زخم پر جو عنبرین کی کنپٹی پر ہلال کی طرح موجود تھا۔ برسوں پہلے یہ زخم ایک گملے کے کنارے سے لگا تھا۔ احسن کے ہونٹ زخم کے نشان سے چھوئے تو عنبرین کی ہچکیاں کچھ اور بلند ہوگئیں۔ چوٹ برسوں پہلے لگی تھی درد شاید آج ہوا تھا احسن نے اس کے ڈھلتے جسم کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

پتا نہیں کہ وہ کتنی دیر تک اسی طرح ایک دوسرے سے باہم پیوست کھڑے رہے دل کا سارا غبار آنکھوں کے راستے بہہ گیا تھا پھر اچانک میز پر رکھے سرخ فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوئی، یقیناً کوئی اہم فون ہوگا گھنٹی بجتی رہی مگر عنبرین نے فون نہیں اٹھایا۔

"کیا فون نہیں اٹھانا؟" احسن نے نرم آواز میں پوچھا۔

"نہیں۔" عنبرین نے کہا اور پلگ سے تار کھینچ کر علیحدہ کر دیا۔

"یہ کیا کیا؟"

"جو مجھے پہلے کرنا چاہیے تھا۔" وہ اس کے سینے میں چہرہ چھپاتے ہوئے بولی۔

اس کے آنسو احسن کا گریبان بھگو رہے تھے اور احسن کی آنکھوں کی نمی عنبرین کے کندھے میں جذب ہو رہی تھی بند دروازے سے باہر لائبہ کسی اچھی خبر کی منتظر تھی۔ لائبہ ایک اچھی ماں کی اچھی بیٹی......